پیر محمد کرم شاہ صاحب ایم اے (الازہر)
کی ایام اسیری کی
تقاریر
گل محمد فیضی

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب ایم اے آنرز الازہر

کی ایامِ اسیری کی تقاریر

ابرِ کرم

گل محمد فیضی (ایم اے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۲
روپے صرف

ناشر: مکتبہ الکرم ڈھل شریف ضلع سرگودھا
مطبع: الوفا پرنٹرز۔ لاہور
ایڈیشن: اوّل: مئی ۱۹۷۸ء

ملنے کا پتہ

مکتبہ "ضیائے حرم" بھیرہ شریف
ضلع سرگودھا

اِنتساب!

ملّتِ اسلامیہ کے ہر اُس فرد کے نام
جس نے مقامِ مُصطفیٰؐ کے تحفّظ اور نظامِ مُصطفیٰؐ کے نفاذ
کے لئے ماضی میں کسی بھی قسم کی قُربانی دی
اَب دے رہا ہے
یا مستقبل میں دے گا

؎ بہ مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

حرفِ اوّل

۷ مارچ ۱۹۷۷ء میں انتخابات کے نام پر بھٹو حکومت نے جو ڈرامہ کھیلا اور پاکستان کے غیوّر عوام کے ساتھ جو سنگین مذاق کیا اس نے عوام کو غیض و غضب سے دیوانہ کر دیا. حکومت نے عوام کے ردِّ عمل کو روکنے کے لیئے ملک بھر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی. اور ہر قسم کے جلسے اور جلوس خلافِ قانون قرار دے دیئے گئے.

پاکستان قومی اتحادّ کے قائدین کی بصیرت افروز اور ولولہ انگیز قیادت نے مشتعل جذبات کو قطعاً بے قابو نہ ہونے دیا. اور نہ ہی ان جذبات سے کوئی غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کی. قومی اتحاد نے ہدایات جاری کیں کہ اس کے کارکن دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جلسے اور جلوسوں کا اہتمام کریں. اور چھ کارکن باقاعدگی سے رضاکارانہ اپنی گرفتاریاں پیش کریں. ان ہدایات پر عوام نے پوری طرح عمل کرنا شروع کر دیا. وہ دیوانہ وار سراپا احتجاج گلیوں اور بازاروں میں نکل آئے. اور نام نہاد وزیر اعظم کے استعفیٰ جعلی اسمبلیاں توڑ کر فوج اور عدلیہ کی نگرانی میں نئے سرے سے آزادانہ اور منصفانہ انتخاب کرانے کا مطالبہ شدّت پکڑتا گیا. خیبر سے کیماڑی تک ملک کا

بچہ بچہ ان مطالبات پر چٹان کی طرح ڈٹ گیا۔ حکمرانوں نے عوام کا یہ جوش جنون دیکھا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ ذہنی توازن بگڑنے لگا۔ اور ان کے اقتدار کی بنیاد ڈولنے لگی۔ انہوں نے پاگل پن کی اسی کیفیت میں یہ نادرشاہی حکم جاری کیا کہ آئندہ جو بھی دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرے گا۔ اُسے دیکھتے ہی گولی مار دی جائے گی۔ ریڈیو پر اس اعلان کو بار بار نشر کیا گیا۔ تاکہ عوام پر خوف وہراس مسلط کر کے انہیں دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی سے باز رکھا جا سکے۔ لیکن عوام کے سیل بے پناہ کے سامنے سارے احکام تنکے کی طرح بہہ گئے۔ ملک کی سڑکیں اور گلیاں عوام کے خون سے لالہ زار بنتی رہیں۔ لیکن اقتدار کے نشہ میں بدمست حکمران بھول بھلیوں میں مصروف رہے۔

مفکرِ اسلام ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب جنہوں نے حکمرانوں کو قدم قدم پر ان کی غلطیوں پر ٹوکا اور حقائق سے مسلسل آگاہ کیا۔ جن کے دل میں عشقِ مصطفےٰ کی نورانی شمع فروزاں ہے جو محبوبِ حجازی کے قدموں پر اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہی زندگی کا مقصد وحید سمجھتے ہیں۔ اپنے آقا کی غلامی ہی جن کی زندگی کا حاصل ہے۔ جن کے پورے خاندان نے تحریک پاکستان میں رات دن اسی لیئے کام کیا تھا کہ ایک ایسا خطۂ زمین حاصل ہو جائے جہاں نظامِ مصطفےٰ کا پرچم لہرائے۔ جو ہمیشہ سے اسلام کے حیات بخش نظام کے نفاذ کے لیئے برسرِ پیکار ہیں۔ جو حق وصداقت کا پیکر اور جرأت وعزیمت کا مجسمہ ہیں۔ اسلاف کی ایثار وقربانی کا نمونہ اور اسلام کی عزت وناموس پر نچھاور ہونے کے لیئے ہمہ وقت تیار اور مضطرب! اس موقعہ پر کیسے خاموش رہ

سکتے تھے؛ جب پُوری قوم ایک ظالم و جابر حکمران کے خلاف جنگ لڑ رہی تھی، جب عوام لادینی نظریات کے خلاف سینہ تانے گولیاں کھا رہے تھے۔

چنانچہ آپ نے یکم اپریل ۷۷ء کو قومی اتحاد کے فیصلہ کے مطابق اپنے رفقاء محترم میاں افتخار احمد لاہوری صاحب، محترم خان بیگ صاحب، محترم صوفی عبدالقادر صاحب محترم حاجی رحیم بخش صاحب اور راقم الحروف سمیت گرفتاری پیش کرنے کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان صرف ایک روز قبل کیا گیا۔ یکم اپریل کو عوام کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ سیالکوٹ، لاہور، واہ کینٹ، سرگودھا سے عموماً اور علاقہ بھر سے خصوصاً عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بھیرہ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ درخشاں چہرے اور عزم و یقین مترشح، آنکھوں میں جذبات و احساسات کی چمک اور فرطِ جذبات سے آنسو رواں، حق کے لیئے قربان ہونے کا جذبہ اور کفر کو ملیامیٹ کر دینے کی خواہش، لیئے مجاہدین نے نمازِ جمعہ حضرت قبلہ پیر صاحب مدظلہ کے ساتھ پڑھی۔

نمازِ جمعہ کے بعد حضرت ضیاء الاُمت نے ملکی حالات، اس کے پس منظر اور پیش منظر پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ دل سے نکلے ہوئے یہ الفاظ سامعین کے قلب و جگر میں پیوست ہوتے گئے۔ ہر سامع بے قرار تھا مضطرب تھا۔ تقریر کے بعد حضرتِ ضیاء الاُمت کی طرف سے ایک مطبوعہ بیان حاضرین میں تقسیم کیا گیا۔

بیان کی تقسیم کے بعد حضرتِ ضیاء الاُمت اپنے رفقاء کے ساتھ کھڑے ہو گئے عوام فرطِ عقیدت سے آپ کی طرف بڑھے کوئی ہاتھ ملا رہا ہے۔ کوئی دست بوسی

کر رہا ہے تو کوئی اس قافلہ تسلیم و رضا کی قسمت پر رشک کرتا ہوا دعا کے لیے التجائیں کر رہا ہے۔ اس وقت جو منظر تھا۔ اسے بیان کرنے کی تاب نہیں۔

تھوڑی دیر بعد جامع مسجد آستانہ عالیہ قبلہ پیر امیر شاہ صاحب رح سے ایک عظیم الشان اور پر وقار جلوس قبلہ پیر صاحب مدظلہ کی سرکردگی میں تین بجے رواں ہوا۔ گلیوں اور بازاروں میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ حدِ نظر تک انسان ہی انسان تھے، جو

ہماری جان ہماری آن گنبدِ خضریٰ پہ قربان، "نامنظور نامنظور بھٹو شاہی نامنظور

غلام ہیں غلام ہیں رسول کے غلام ہیں"، "توڑ دو توڑ دو، جعلی اسمبلی توڑ دو"،

ہم عظمتِ رسول کے پاسباں ہیں پاسباں"

کے نعرے لگا رہے تھے۔ جلوس چک والا دروازہ جا کر ختم ہونا تھا۔ ابھی جلوس نے آدھے سے بھی کم فاصلہ طے کیا تھا کہ پولیس نے راستہ روک لیا، اور گرفتاریاں پیش کرنیوالے افراد کو بس میں سوار ہونے کے لیے کہا۔ مگر جوش و خروش کے اس بحرِ بیکراں کے سامنے سارے انتظامات معطل ہو گئے اور بس آگے چلی گئی۔ مکانوں کی چھتوں پر سے عورتیں اور بچے فرطِ جذبات سے گل پاشی کر رہے تھے۔ ایک جگہ پر پھر پولیس نے جلوس ختم کرنے کی اپیل کی لیکن یہ اپیل بھی غیر موثر ہو گئی۔ ڈپٹی مجسٹریٹ بھی ہمراہ تھے۔ ان کے سارے منصوبے بے بس ہو گئے تو وہ خود دروازہ چک والا چلے گئے۔ جلوس بھی رواں دواں دروازہ چک والا پہنچ گیا حضرت ضیاء الامت مدظلہ نے یہاں شرکاء سے پھر خطاب کیا۔ تحریکِ نظامِ مصطفےٰ عزم و ہمت کے ساتھ جاری رکھنے کی تاکید کی اور فرمایا: جو میرے مریدین یا متعلقین میں سے ہو وہ گرفتاری پیش کر کے جیل کے اندر مجھے آکر ملے۔ سلاخوں سے باہر ملاقات کے لیے

بے شک کوئی نہ آئے۔"

اس کے ساتھ ہی آپ نے آنیوالوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور اپنے رفقاء سمیت بس میں سوار ہو گئے۔ عوام نے بس کو گھیر لیا۔ تھوڑی دیر پولیس اور عوام میں آنکھ مچولی ہوتی رہی۔ پولیس پروانوں کے ہجوم سے بس نہ نکال سکی تو عوام کے محبوب قائد حضرت ضیاء الامت مدظلہ نے آگے بڑھ کر لوگوں کو راستہ چھوڑ دینے کے لیے کہا اور اس طرح حضرت قبلہ پیر صاحب ہزاروں افراد کو اشک بار چھوڑ کر ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا میں دیگر اسیروں سے جا ملے۔

جیل میں شب و روز کیسے گزرے؟ یہ ایک الگ داستان ہے۔ اس وقت سننے کی نہ سنانے کی! پھر کبھی سہی!

جیل میں احباب کے اصرار پیہم پر آپ نے نماز فجر کے بعد درس قرآن و حدیث دینے کا سلسلہ شروع فرمایا۔ یہ خطاب پندرہ بیس منٹ کا ہوتا تھا۔ پہلی تقریر کے ساتھ ہی مجھے یہ احساس ستانے لگا کہ کاش یہ گنج ہائے گراں مایہ محفوظ ہو جاتا۔ لیکن ہمارے لیے جیل میں کاغذ اور قلم رکھنا ایک سنگین جرم تھا۔ جیسے بھی ہوا اس کا انتظام کر لیا گیا۔ اور اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔

یہ تمام تقاریر خطاب کے دوران نوٹ کی گئی ہیں۔ مقرر کے ساتھ ساتھ اس کی تقریر کو من و عن نوٹ کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، پھر ایسے وقت میں جب جیل کی چار دیواری میں لکھنا ایک جرم بھی ہو۔ پکڑے جانے کا خدشہ رفتار کو ویسے ہی متاثر کر دیتا ہے۔ مجھے اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

تقریر اور تحریر کے انداز میں فرق ہوتا ہے۔ اگر تقریر کو مقالہ بنا کر پیش کر دیا جائے تو شاید وہ زیادہ جامع ہو جائے لیکن میرے خیال میں تقریر کا اپنا انداز ہی سب سے نرالا اور دلپذیر ہوتا ہے۔ جس میں بعض اوقات مکررات تنند مکرّر کا مزا دیتے ہیں۔ میں نے اس بات کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے۔ کہ تقریر کا اپنا انداز برقرار رہے۔ مجھے اُمید ہے کہ مطالعہ کرتے وقت یہ بات پیش نظر رہے گی۔

جیل سے رہائی کے بعد میں نے مسودہ صاف کر کے لکھا قبلہ پیر صاحب مدظلہٗ اپنی بے پناہ مصروفیات کی بناء پر اس پر نظرثانی نہ فرما سکے۔ اور یہ کام میرے خصوصی مہربان جناب مولانا احمد بخش صاحب بی۔اے فاضل عربی (گولڈ میڈلسٹ) فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ نے سرانجام دیا۔ جس کے لئے میں اُن کا بے حد ممنون ہوں۔

حضرت ضیاء الاُمّت مدظلہٗ نے یکم اپریل ۸۴ء کو اپنے رُفقاء سمیت گرفتاری پیش کی۔ ۱۴ اپریل ۸۴ء کو پہلی تاریخ پیشی پر ہی آپکو ساتھیوں سمیت مجسٹریٹ بھلوال نے چار ماہ قید بامشقت کا حکم سُنایا۔ جسے بعدہٗ سیشن جج صاحب سرگودھا نے کالعدم قرار دے دیا۔ اس طرح آپ ۳۷ روز جیل میں رہے۔ چودہ روز ناسازیٔ طبع کی وجہ سے خطاب نہ فرما سکے۔ اور تین چار تقاریر میں نوٹ نہ کر سکا۔ بقیہ ۱۸ تقاریر کا مجموعہ پیشِ خدمت ہے۔

اسلام اور اسلامی مُعاشرت کے مختلف پہلوؤں پر یہ مختصر تقاریر ایک گراں قدر اضافہ ہیں۔ اِن میں آبشاروں کا ترنّم، شبنم کی پاکیزگی، پھولوں کی شگفتگی اور بہاروں کی دلکشی پائی جاتی ہے۔ آنکھوں کے راستے دل میں اُتر جانے والا رُوح پرور پیغام جو ایک مردِ مومن کی زبانِ اقدس

سے نکلا ہے، آپ کے دِل کی دُنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دے گا۔
اگر کہیں آپ کو کوئی خامی نظر آئے تو اِسے میری کم مائیگی اور مجبوری سمجھیں۔ اور اپنی قیمتی آراء سے مجھے آگاہ فرماتے رہیں۔
آخر میں مَیں شکریہ ادا کرتا ہوں مجاہدِ ختمِ نبوّت صاحبزادہ محمّد امین الحسنات شاہ صاحب بھیرہ شریف، حکیم ملّت حضرت محمّد موسیٰ صاحب امرتسری لاہور۔ علّامہ محمّد مختار احمد ضیاء کراچی، مولانا افتخار علی چشتی بھیرہ شریف مولانا محمّد عبدالرّسول ارشد لاہور۔ ملک محمّد رمضان انجم ڈھل شریف کا جن کے خلوص و تعاون حوصلہ افزائی اور قیمتی مشوروں سے یہ کام اتنی جلدی پایۂ تکمیل کو پہنچا۔
دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ مکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طفیل اس کاوش کو منظور و مقبول فرمائے اور ہم سب کے لیے مفید۔ آمین

مخلص

[signature]

الکرم ڈھل شریف
ضلع سرگودھا
۲۶ ذی قعد ۱۳۹۷ھ
۹ نومبر ۱۹۷۷ء
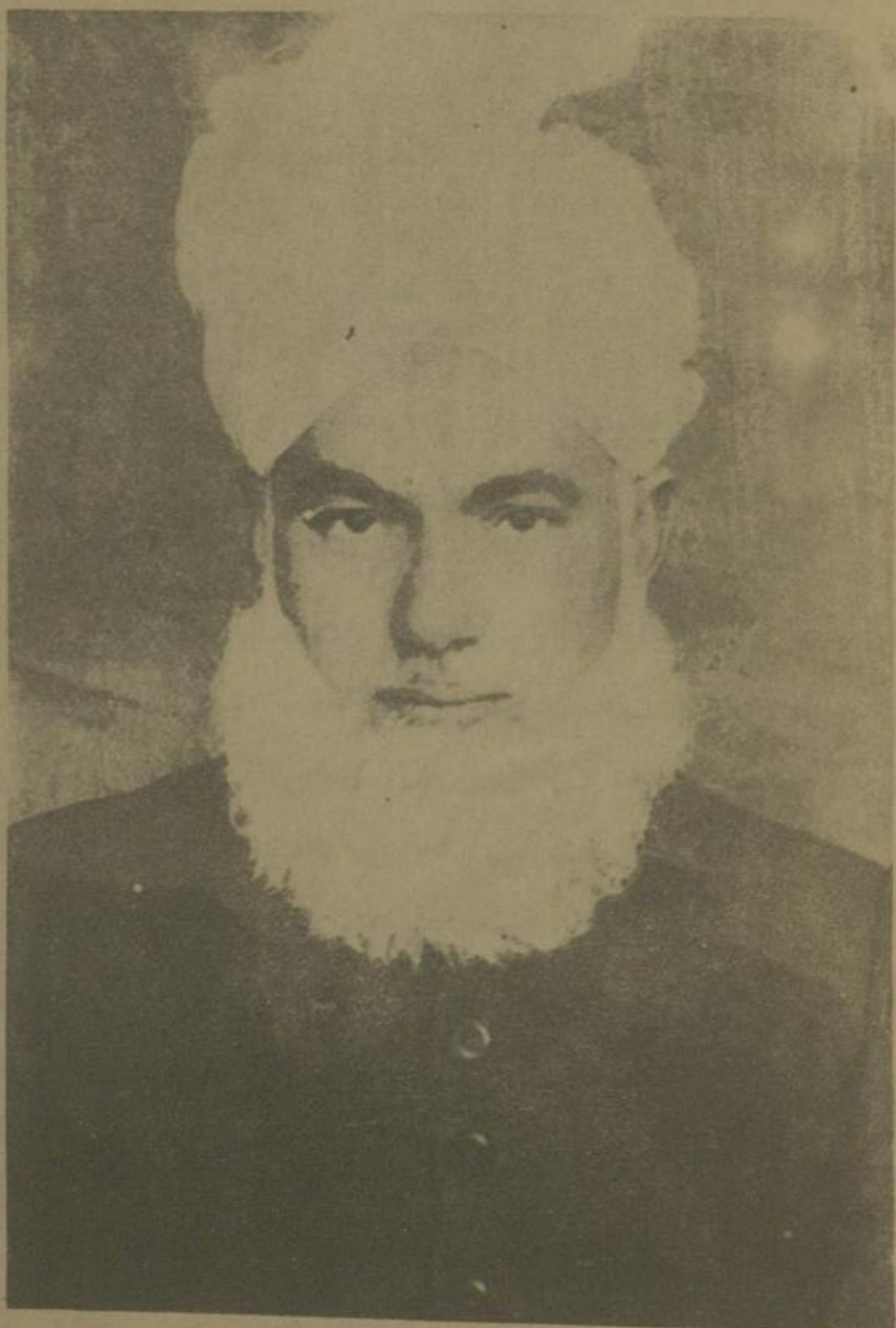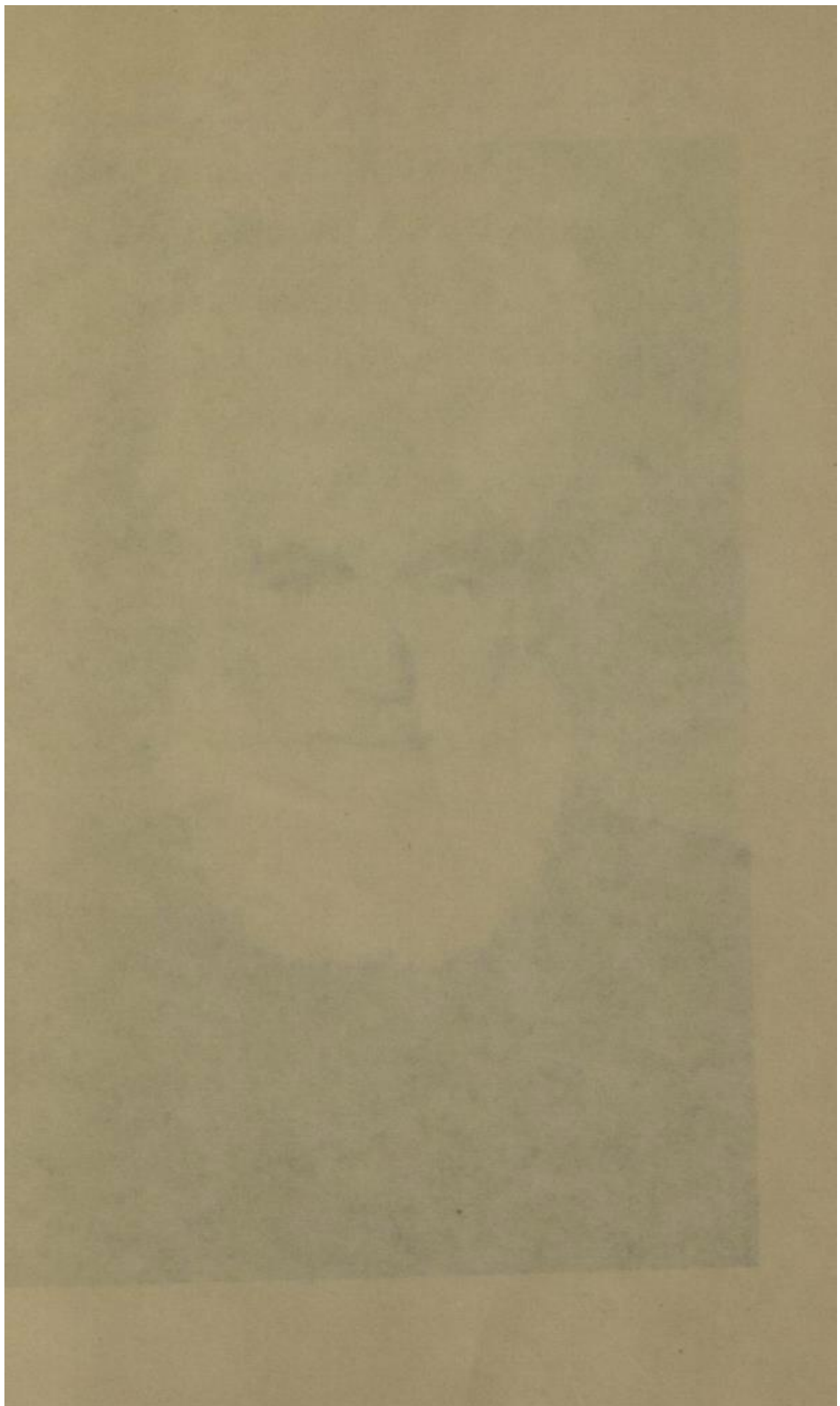
تعارف

مُفکرِ اسلام۔ ضیاء الاُمّت

حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب مدظلہٗ

آفتاب سے زیادہ روشن چہرہ ــــ جس کی چمک سے ظلمتیں دور اور اندھیریاں کافور ہوتی ہیں۔ سوتج میں ڈوبی ہوئی حسین آنکھیں جس کی ہیبت کے سامنے لوگوں کی آنکھیں جھکی رہتی ہیں۔ موسلا دھار بارش کی طرح فیض رساں۔ نرم خو خوش خلق۔ خوش مزاج۔ جن کا قرب نجات دینے والا اور پناہ دینے والا ہے۔

یہ ہیں حضرت ضیاء الاُمّت پیر محمد کرم شاہ صاحب مدظلہٗ

"پیر صاحب ہمارے ملک کے اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔
جو بیک وقت ایک عالم دین، صاحبِ علم، صحافی اور سیاستدان
کے روپ میں انسانیت کی بھلائی کے لئے موجود رہتے ہیں"[1]

خاندان

آپ کا سلسلہ نسب حضرت غوث العالمین شیخ الاسلام بہاء الحق والدین ابو محمد ذکریا ملتانی سے جا ملتا ہے

سلسلہ نسب یہ ہے۔ حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب بن حضرت پیر محمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت پیر امیر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت پیر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت شمس الدین بن حضرت عبداللہ شاہ صاحب رح

---

[1] افریشیا۔ ہفت روزہ شمارہ، اکتوبر ۱۹۷۷ء

بن حضرت محمد غوث صاحبؒ بن غلام محمد حسین صاحبؒ بن شیخ محمدؒ بن شیخ محمودؒ بن شیخ احمدؒ بن شیخ نظام الدینؒ بن شیخ شمس الدینؒ لاہوری بن شیخ صدرالدین بادشاہؒ بن شیخؒ بن شہر اللہ صاحبؒ سجادہ بن شیخ یوسفؒ بن شیخ عماد الدینؒ بن شیخ رکن الدین سمرقندیؒ بن شیخ صدر الدین حاجیؒ بن شیخ اسماعیلؒ بن شیخ الاسلام حضرت مولانا صدرالدین عارف باللہؒ فرزندِ اکبر و خلیفہ الشیخ الکبیر المنیر غوث العالمین شیخ الاسلام بہاء الدین ذکریا الہاشمی الاسدی السہروردی ملتانی قدس سرہ العزیز [1]

آپ کے خاندان کے ایک باکمال فرد حضرت دیوان پیر فتح شاہ صاحب تقریباً تین صدیاں پہلے لاہور سے بھیرہ منتقل ہوئے۔ اس خانوادۂ غوثیت کی عزّت و شہرت کو چار چاند لگانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت پیر شاہ صاحب کو فرزندِ ارجمند عطا فرمایا جو امیر السالکین حضرت پیر امیر شاہ صاحب کے نامِ نامی سے معروف ہوئے۔ آپ قطب العارفین شمس الحق والدین خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور خلعتِ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ آپ نے ساری زندگی خلق خدا کی اصلاح اور مُریدین کے تزکیۂ نفس اور سُنّتِ نبویؐ کی پیروی کا شوق دلانے میں بسر کی۔ نوّے سال کی عمر میں بروز سہ شنبہ ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۴۶ ہجری دارِ فانی سے عالم باقی کی طرف سفر باندھا۔

آپ کے صاحبزادے امیر جند اللہ۔ غازی اسلام حضرت پیر حافظ محمد شاہ تقریباً ۱۸۹۰ء میں بھیرہ ضلع سرگودھا میں رونق افروزِ دارِ دُنیا

---

[1] ضیائے حرم : ماہنامہ : شمارہ جون ۱۹۷۶ء

ہوئے۔ والدگرامی نے آپ کی تربیت بڑی توجہ سے فرمائی۔ اور مناسب وقت پر حضرت خواجہ مولانا ضیاء الملّت والدین محمد ضیاء الدّین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرا دیا۔ حضرت خواجہ نے مختلف ریاضتیں کرانے کے بعد آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔

مفکرِ اسلام حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔ اور رُشد و ہدایت تبلیغ اسلام کا وہ چراغ جو آپ کے آباؤ اجداد نے فروزاں کیا اسے خونِ ناب اور سوزِ جگر سے روشن کئے ہوئے ہیں۔

ولادت و تربیت

آپ نسباً ہاشمی قریشی مشرباً چشتی نظامی اور اور مسلکاً حنفی ہیں۔ ۲۱ رمضانُ المبارک ۱۳۳۶ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۱۸ء بروز دوشنبہ بوقت شب بھیرہ شریف میں آپ کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔ آپ کے والدِ گرامی نے آپ کی تربیت ایسی خصوصی توجہ سے فرمائی کہ رشکِ مہر و ماہ بنا دیا۔

تعلیم

والدِ گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ دینی علوم کی تکمیل کے لئے اپنے قائم کردہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ میں اپنے دَور کے چوٹی کے فُضلاء کو مدعو کیا۔ علومِ عقلیہ کی تعلیم کے لئے امام المناطقہ مولانا محمد دین بدھوی (ضلع کیمبل پور) فقہ۔ تفسیر۔ اَدب۔ عروض اور ریاضی وغیرہ علوم کے لئے قدوۃ الفضلا مولانا مخدوم محمد قدس سرہ (پپلاں ضلع میانوالی) کو مقرر کیا۔ دورۂ حدیث کے لئے آپ صدرالافاضل قائدِ اہلِ سُنّت مولانا سید محمد نعیم الدین مُراد آبادیؒ کی خدمت میں ۱۹۴۲ء جامعہ نعیمیہ مُراد آباد گئے۔ جامعہ نعیمیہ مُراد آباد میں اپنے ایک سالہ قیام کے دَوران میں آپ نے اپنی لیاقت و قابلیّت کے اَن مٹ

نقوش حضرت صدر الافاضلؒ کے قلب و ذہن پر نقش کیے۔ آپ کو دستارِ فضیلت حضرت دیوان صاحب آلِ رسول اجمیری نے بندھائی۔ اس موقعہ پر حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "میں آج مطمئن ہوں کہ میرے پاس جو امانت تھی وہ میں نے موزوں فرد تک پہنچا دی ہے۔"

بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۴۵ء میں بی۔اے کیا۔ مزید تعلیم کے لئے آپ ۱۹۵۱ء میں جامعہ الازہر مصر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے تین سال قیام کیا۔ آخری امتحان میں پورے جامعہ الازہر میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ اور "کلیۃ الشرعیۃ الاسلامیہ" (قانونِ اسلامی) کی سب سے بڑی ڈگری لیکر واپس تشریف لائے۔

بیعت

ابتدائی تربیت آپ کے والد ماجد نے خود بڑی توجہ سے فرمائی اپنی زیرِ نگرانی علم و عرفان اور سلوک و معرفت کی مختلف منازل طے کرانے کے بعد مصر جانے سے قبل ہی حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی سے بیعت کرا دیا۔ حضور پیر سیال نے باطنی فیوض و برکات سے مالا مال کر کے اجازت و خلافت سے نوازا۔ آپ کو اپنے پیر و مرشد سے حد درجہ عقیدت و محبت ہے۔ کئی تشنگانِ روحانیت نے آپ سے بیعت کی خواہش کا اظہار کیا لیکن آپ نے انہیں اپنے پیر و مرشد کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شرفِ بیعت حاصل کرنے کی تلقین کی۔ تاندلیانوالہ سے غفور احمد شاہین صاحب کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"میری رائے یہ ہے کہ آپ سیال شریف حاضر ہو کر فوراً بیعت کر لیں۔ میری نظروں میں تو اس وقت حضرت سیالوی سے بہتر کوئی نہیں۔"

(مکتوب محررہ ۷۵-۶-۸)

ایک اور خط میں آپ حافظ غلام رسُول چشتی صاحب کو لکھتے ہیں۔
"میں سیال شریف کے خاک کے ذرّوں کو اپنا سُرمۂ بصیرت تصوّر کرتا ہوں اور وہاں کی غلامی پر ناز کرتا ہوں۔ اگر آپ نے وہاں رشتۂ عقیدت جوڑا ہے تو یہ چیز میرے لئے باعثِ مسرّت ہے۔" (مکتوب محرّرہ ۷۵-۱۱-۱۱)
اس وقت آپ کے مُریدین و معتقدین اندرونِ مُلک اور بیرونِ مُلک کثیر تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور جہاں بھی ہیں دین و مذہب کی عظیم خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

مصرُوفیات

دُنیا میں اپنے لئے زندہ رہنے والوں کا حدو شمار نہیں لیکن وہ مقدّس و محترم نفوس بہت ہی کم ہیں جو اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدُا اور اُس کے حبیب مکرّم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رضا اور خوشنودی کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ حضرت ضیاء الامّت مدظلہٗ کی ذاتِ گرامی اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ آپ کا ہر سانس اپنے مقصد کی ترویج و اشاعت کے لئے صرف ہو رہا ہے۔ مقصد کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔
"میری[1] زندگی کی مقدّس آرزو یہ ہے کہ مملکتِ خدُاداد پاکستان کا صرف عائلی قوانین ہی نہیں بلکہ اس کے تمام قوانین۔ فوجی۔ دیوانی۔ اقتصادی سب کے سب کتاب و سُنّت کے عین مطابق ہوں اور مجھے میری یہ آرزو اپنی زندگی سے بھی عزیز تر ہے۔"
زندگی میں اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے ذرا آپ کی بے قراری کا تصوّر فرمائیں ڈاکٹر محمد اعظم صاحب (انگلینڈ) کے نام ایک خط میں تحریر

---

[1] مکتوب بنام میاں محمد اسلم صاحب سیالکوٹ مورخہ ۷۸-۳-۲۷

فرماتے ہیں۔

"زندگی کا لطف اسی میں ہے۔ جو زندگی مقصد سے خالی ہو یا جس زندگی میں مقصد تک پہنچنے کی بے تاب آرزو میں مچل نہ رہی ہوں وہ زندگی بندۂ مومن کی نہیں ہو سکتی۔"

آپ نے ہمیشہ اس بات کی تلقین کی ہے کہ زندگی کا کوئی لمحہ بھی بیکار نہیں گذرنا چاہیئے اور ہر لمحہ دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت میں گذرنا چاہیئے اسی مقصد کی ترویج کے لئے آپ نے جامعہ ازہر مصر سے واپسی پر اپنے والدگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ دارالعلوم "محمدیہ غوثیہ" کو نئی بنیادوں پر استوار کیا۔ اور اسے جدید و قدیم علوم کا حسین امتزاج بنا دیا۔ جہاں طلباء کو فاضل عربی کے ساتھ معاشیات سیاسیات اور انگریزی کے ساتھ بی۔ اے بھی کرایا جاتا ہے۔ تاکہ یہاں کے فارغ التحصیل علماء حالاتِ حاضرہ پر مکمل عبور رکھتے ہوں۔ اور بقول آپ کے "ان کی دونوں آنکھیں بینا ہوں۔"

اس شجرِ طیب کی آبیاری آپ بڑی ہی محنت و ریاضت سے فرما رہے ہیں۔ جب جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی بنیاد رکھی گئی تو اس کو چلانے کی آپ کو پیشکش کی گئی لیکن آپ نے انکار فرما دیا۔

مورخِ اسلام مولانا نور احمد فریدی صاحب راقم الحروف کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ان ایام میں محکمہ اوقاف نے بہاولپور میں جامعہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ میں نے محکمہ اوقاف کو لکھا کہ اس جامعہ کو چلانے کے لئے بہترین شخص پیر محمد کرم شاہ صاحب ہی ہو سکتے ہیں۔ مجھے جواب ملا۔ کہ ہم نے ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر کامیابی نہیں

ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو دارالعلوم میرے مرحوم والد بزرگوار نے قائم کیا ہے۔ اس کا مجھ پر زیادہ حق ہے۔ میں اس کا انتظام سنبھالوں گا۔"[1]

چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اپنی ساری توجہات اپنے دارالعلوم پر مرکوز کر دیں اور مختصر ترین وقت میں اسے اوجِ ثریا تک پہنچا دیا۔

غالباً دو سال قبل کا واقعہ ہے۔ دفتر ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور میں چند علماء آپ کو ملے اور حکومت کی طرف سے شاہی مسجد کی خطابت کی پیشکش کی۔ لیکن آپ نے اپنی مصروفیات کی بنا پر معذوری ظاہر کر دی نیز فرمایا یہاں آ کر میں شاید حق کا اظہار صحیح انداز میں نہ کر سکوں اس لئے میں یہ منصب قبول نہیں کر سکتا۔

مختصر یہ کہ اس مردِ مجاہد کی زندگی کا ایک ایک لمحہ جہاد میں بسر ہو رہا ہے۔ آپ اپنے مریدین اور متعلقین کو خدمتِ دین کی نصیحت فرماتے ہیں۔ اور خود "میرِ کارواں" کی حیثیت میں صفِ اول میں سرگرم عمل نظر آتے ہیں۔

جو شخص صبح سے نمازِ ظہر تک دارالعلوم میں دیگر اساتذہ کی طرح سارے پیریڈ خود بھی پڑھاتا ہو، تفسیر ضیاء القرآن کا کام بھی کرتا ہو، ماہنامہ ضیائے حرم کی ادارت کے فرائض بھی انجام دے رہا ہو، اپنی نجی مصروفیات کے لئے بھی وقت نکالتا ہو، مریدین کے ساتھ بھی وقت صرف کرتا ہو اور سیاست کے میدان میں بھی ایک مجاہد کی طرح پسِ دیوارِ زنداں تک جانے کے لئے تیار ہو۔ اس کی عظمت و رفعت کا آپ خود اندازہ فرما سکتے ہیں۔

---

[1] مکتوب محررہ ۱۰ دسمبر ۱۹۷۵ء

الغرض پیر محمد کرم شاہ ایک شخصیت ایک ذات کا نام نہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ ایک کردار ہے۔ انجمن ہے۔ بزم ہے۔ مقصد ہے اور مقصد تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے۔ ہم اُن کے لئے بزبانِ شاعر یہی کہہ سکتے ہیں ؎

تیرا وجود فخرِ نظامِ حیات ہے
تُو محض ایک ذات نہیں کائنات ہے

اَولادِ امجاد

حضرت ضیاء الامت مدظلہٗ کی اَولادِ امجاد میں تین صاحبزادیاں اور چھ صاحبزادے ہیں۔ صاحبزادگان مجاہدِ ختمِ نبوت و قافلہ سالارِ تحریکِ نظامِ مصطفےٰ صاحبزادہ محمد امین الحسنات شاہ صاحب بی۔ اے صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ، صاحبزادہ محمد ابراہیم شاہ صاحب، صاحبزادہ محمد محسن شاہ صاحب، صاحبزادہ ابوالحسن شاہ صاحب، صاحبزادہ محمد فاروق بہاء الحق صاحب ہیں۔

خُلفاءِ کبار

اَب تک آپ نے مندرجہ ذیل حضرات کو اجازت و خلافت سے نوازا ہے۔

۱۔ سیّد نذیر حسین شاہ صاحب سیالکوٹی۔ آپ دارُالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے فارغ التحصیل ہیں اور آج کل سیالکوٹ میں خطابت کے ساتھ ساتھ دینی و مذہبی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

۲۔ پیرزادہ محمد امداد حسین صاحب آپ بھی دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے فارغ التحصیل ہیں اور حضرت قبلہ پیر صاحب مدظلہٗ کی ہدایت پر دیارِ فرنگ میں تبلیغِ دین کا فریضہ بحُسن و خُوبی ادا کر رہے ہیں۔

تصانیف

:- خطابت اور دارُالعلوم کی ہمہ وقتی مصروفیات کے ساتھ

ساتھ آپ نے سولہ سال کی مسلسل محنت و کاوش اور تحقیق و عرق ریزی سے ضیاء القرآن" کے نام سے قرآن مجید کی تفسیر پانچ جلدوں میں مکمل کی ہے جو عہدِ حاضرہ کی بہترین تفسیر ہے۔ یہ شہرۂ آفاق تفسیر روشنی اور ہدایت کا عظیم مینار ہے۔ جس کی ضیا پاشیوں سے قلب و نگاہ منور و روشن ہو جاتے ہیں۔

دوسری عظیم تصنیف "سُنّت خیر الانام" ہے جسے آپ نے جامعہ ازہر مصر میں اپنے زمانہ طالب علمی میں مُرتّب کیا۔ مُنکرین حدیث کے لئے یہ تصنیف بُرہان قاطع کا حکم رکھتی ہے۔ اسے ہر طبقہ میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس میں قرآن و سُنّت کے باہمی ربط، اتباعِ سُنّت کے عقلی و نقلی دلائل، اور تدوینِ حدیث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

اِن کے علاوہ آپ کا ماہنامہ "ضیائے حرم" تشنگانِ علم و عرفان کے لئے ہر ماہ سامان تسکین فراہم کرتا ہے۔ اور مذہب و ملّت کی عظیم خدمات سرانجام دے رہا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی صفوں میں مکمل اتحاد اور تنظیم پیدا کریں۔ اپنے لٹریچر کو ہر فرد تک پہنچانے کے لئے اپنی صلاحیتیں صرف کریں۔ اور مذہب کی اشاعت و تبلیغ کو ہر دوسرے کام پر ترجیح دیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بطفیل سرور کائنات اپنے مقصد میں کامیاب و کامیاب فرمائے۔ آمین بجاہ حبیب الکریم صلّی اللہ علیہ وسلّم

○

تقاریر

① بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین ؕ

برادرانِ گرامی ! یہ آیت کریمہ جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ والذین جاھدوا فینا کہ جو ہمارے راستے میں جہاد کرتے ہیں لنھدینھم سبلنا اُن کو اپنے حریم قدس تک پہنچانا میرا کام ہے۔ میں انہیں تنہا نہیں چھوڑ دیتا بلکہ میری رحمت ان کے دوش بدوش اور شانہ بشانہ رہتی ہے۔

قرآن کریم کی اصطلاح میں جہاد کسے کہتے ہیں ؟ یہ لفظ ہم سینکڑوں بار استعمال کرتے ہیں۔ اور ہمارا ذہن یہ ہے کہ جنگ کرنا ٹینک توپیں اور جہاز چلانا یہ جہاد ہے۔ یہ درست ہے کہ یہ جہاد ہے۔ لیکن یہ اسلامی جہاد کا ایک حصہ ہے۔ لغت عربی میں اس کی تعریف اور مفہوم کیا ہے ؟

جو قوت جو طاقت جو صلاحیت اور جو وسائل تیرے پاس ہیں۔ اُن کو کسی مقصد کے لیے خرچ کرنا جہاد ہے۔ عرب کہتے ہیں۔ افرغ کا لدلو " ڈول کو ایسے انڈیل دینا کہ اس میں ایک قطرہ پانی بھی نہ رہے۔

یعنی جو کچھ ہو اسے باہر انڈیل دینا۔ اپنی ہر امکانی کوشش کو آخری حد تک داؤ پر لگا دینا جہاد کہلاتا ہے۔ وہ کوشش جو ادھوری ہو۔ جس کے ساتھ دل شامل نہ ہو، وہ دنیا کی کسی اور زبان میں جہاد ہو تو ہو مگر اسلام میں جہاد نہیں ہو سکتی، کیونکہ جہاد کھوکھلی اور ادھوری کوشش کو نہیں کہتے۔

تو " والذین جاھدو " کا مطلب ہوا یعنی وہ لوگ جو اپنی پوری قوت پوری صلاحیت کو خرچ کر ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد اسلامی جہاد کے لیے ایک

اور شرط ہے وہ ہے "فینا" یعنی یہ جو روپیہ، علمی قابلیت، تبلیغ دین اور دشمن پر تابڑ توڑ حملے کر رہے ہیں یا سرکٹ رہے ہیں: یہ سب جہاد ہے۔ مگر اسلامی جہاد تب ہوگا، جب یہ ساری کاوشیں جب یہ ساری کوششیں اسلام کیلئے ہوں یعنی وہ دنیوی مفاد، ذاتی شہرت، نشانِ حیدر کے حصول اور عہدے میں ترقی کے لیئے نہ ہو بلکہ ایک ہی مقصد ہو کہ اس کے نام کا پرچم فضاؤں میں لہرائے اور اس کے محبوب کریم علیہ السلام کا ذکر پاک بلند ہو، وہ (مجاہد) بولتے ہیں۔ سنتے ہیں۔ ان کا قدم اٹھتا ہے۔ وہ بیٹھتے ہیں، جیتے ہیں اور مرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیئے۔

جن کی زندگی کا مقصد، مرکز اور محور خدا کی رضا ہو وہی مجاہد ہیں۔ دنیا والے ہمیں جو کچھ کہیں اگر ہمارے دل میں فتور آگیا تو ہم مجاہد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ معاملہ اس علیم و خبیر سے ہے جو دلوں کے سارے بھید جانتا ہے۔ مجاہد وہ ہے جو ہر چیز جان، مال، سر غرضکہ سارے وسائل اور ساری کی ساری صلاحیتیں خدا کی رضا کے لیئے خرچ کر دے یہ تو ہمارا فرض ہے جو ہمیں ادا کرنا ہے اور جو ایسا کرتا ہے اس کے ساتھ وہ کریم کیا سلوک کرتا ہے: "لنھدینّھم سُبلنا" اس میں "ل" تاکید ہے۔ اگر خدا تعالیٰ "تاکید" نہ بھی کرے پھر بھی بات اٹل ہے لیکن اگر زبانِ خداوندی "تاکید" کرے تو پھر لطف ہی کچھ اور ہے۔ تمام احتمالات ظنون اور تشکوک کو ختم کر کے فرماتے ہیں کہ تم اپنا سب کچھ میرے لیئے داؤ پر لگا دو تو وہ راستے جو مجھ تک آتے ہیں اُن میں تم بادا نہیں پھرتے رہو گے۔ بلکہ اس کا احسان تمہاری راہنمائی فرما رہا ہوگا۔ اس کی رحمت پا بہ رکاب ہوگی۔ اور پھر منزل کی دشواریاں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ اور منزل خود سمٹ کر قدموں میں آجائے گی۔ کیونکہ ہم جتنے عالم بھی ہو جائیں جب تک اس کی شانِ کریمی

دستگیری نہ کرے ہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔

میری طلب بھی انہی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

انسان خدا کی طرف کیسے پہنچتا ہے؟ حدیث شریف میں آتا ہے :۔
مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ عَلَیْہِ ذِرَاعًا وَمَن تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ عَلَیْہِ بَاعًا وَمَنْ اَتَانِی مَاشِیًا اَتَیْتُ اِلَیْہِ ھَرْوَلاً ۔
او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ؑ یعنی وہ بندہ جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے۔ تو میری رحمت ایک گز اس کے نزدیک ہو جاتی ہے۔ اور جو ایک گز میرے نزدیک ہوتا ہے۔ میں ایک قدم اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اور جو چل کر میری طرف آتا ہے۔ میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔ تو جب اس کی رحمت دوڑ کر اپنے بندے کا استقبال کرتی ہے۔ تو وہ لا متناہی رکاوٹیں چشم زدن میں طے ہو جاتی ہیں۔ وان اللہ لمع المحسنین ؑ

یہاں بھی تاکید بالائے تاکید ہے۔ یہاں صفاتی نام نہیں۔ ذکر کیا گیا، بلکہ ذاتی نام ہے۔ اور اس طرح ساری ذاتی اور صفاتی ... ذکر کر دیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ انہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو اس کے لیے جیتے ہیں اور اسی کے لیے مرتے ہیں اور جن کی منزل اس کی خوشنودی ہوتی ہے۔

فرمایا ہم ان محسنین کو دشمن کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑتے، انہیں طوفانی موجوں کے حوالے نہیں کرتے بلکہ ہماری نصرت اور رحمت اُن کے ساتھ ہوتی ہے۔ اگر ایک کے پاس اسلحہ نہ ہو، زرہ، تلوار اور جنگی ساز وسامان نہ ہو لیکن خدا اُس کے ساتھ ہو تو کوئی اسلحہ کوئی ٹینک، کوئی ایٹم بم اور کوئی مہلک سے مہلک تر ہتھیار بھی اُس کا راستہ روک سکتا ہے؟ فرمایا تم میرے راستہ میں قدم اٹھاؤ، میری رحمت

تمہارے ساتھ ہوگی. میری رحمت تمہیں اپنی آغوش میں لینے کے لئے مچل رہی ہوگی.
کمی اگر ہوتی ہے تو ہماری طرف سے اس کریم کی طرف سے تو کوئی کمی نہیں
اس کی رحمتِ بے پایاں تو ہر وقت ہمارا انتظار کرتی ہے۔ اس کا دریائے کرم
تو ہمہ وقت بہہ رہا ہے. ہم ہی ہیں جو اپنی کوتاہی اور کمزوری کی وجہ سے چشمۂ
شیریں سے فیض یاب نہیں ہو سکتے۔

؎ ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں، راہ دکھلائیں کسے راہ روِ منزل ہی نہیں

آج یہ آیت اس لیئے پیش کی گئی تاکہ اسلامی جہاد کا تصوّر ذہن نشین ہو جائے
اور ہم بھی فرضِ جہاد صحیح طور پر ادا کر سکیں. ہم تو یہ نہیں کہتے اور نہ دعویٰ
کر سکتے ہیں کہ ہم میں خلوص ہے. ہم طاقت ور ہیں. ہم باہمّت ہیں بلکہ ہم تو
کمزور ہیں، بے بس ہیں۔ بے کس ہیں نہتّے ہیں،

اے اللہ تعالیٰ! ہماری لاج رکھنا، ہم نیّتوں کا خلوص بھی مدد بھی تجھی
سے مانگتے ہیں. کیونکہ

؎ داد تو را قابلیّت شرط نیست
بلکہ شرطِ قابلیّت داد تُست!

تیری رحمت و عنایت کے لیئے قابلیت کا ہونا شرط نہیں ہے. بلکہ قابلیّت
اور اہلیت کے لیئے تیری توفیق اور تیری دستگیری کا شامل حال ہونا شرط ہے. اگر
تیری رحمت دستگیری نہ کرے تو بلندیاں بھی پستیوں میں بدل جاتی ہیں. عزتیں
ذلتّوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ لیکن اگر تیری توفیق سایۂ فگن ہو تو ذرہ ذرہ رشک
صد مہر و ماہ بن جاتا ہے۔ اور قطرے پر کوہِ نُور کے ہیرے رشک کیا
کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہم میں ہمّت و جرأت اور نیّتوں میں خلوص

عطا فرمائیے اور ہماری دستگیری فرما کر ہمیں منزلِ مقصود تک پہنچائیے تاکہ ہم کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہو سکیں۔

مورخہ ۲۴، اپریل ۱۹۷۷ء
بعد نماز فجر
ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

---

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ

برادرانِ گرامی قدر!

یہ آیت کریمہ جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسمیں اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ بندے کا اور اس کے رب کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ بندے کے فرائض کیا ہیں؟ اور رب کی عنایات کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا: " اوفوا بعهدی " جو وعدہ تم نے میرے ساتھ کیا ہے۔ وہ تم پورا کرو۔ " اوفِ بعہدکم " جو وعدہ میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ وہ میں پورا کروں گا۔ کس قدر جامع مضمون ہے اور مختصر لفظوں میں کیسے بیان کیا۔ اس سے بڑھ کر اس حقیقت کا بیان کیا ہو سکتا ہے۔

انسان اس میں غور کرے کہ اے خدا تو میرا رازق ہے۔ تو قادر مطلق ہے تیرے ہر ارشاد کے سامنے میری گردن جھکی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ جب ابراہیم علیہ السلام کے رب نے ابراہیمؑ کو کہا، اے ابراہیم میرے حکم کے سامنے گردن جھکا دے تو آپ نے فرمایا: " اسلمت " یا اللہ تیرے بندے ابراہیم نے گردن جھکادی۔ اگر تو یہ حکم دیگا کہ اس ننھے بچے کو جو پیرانہ سالی میں ملا ہے۔ جس کا چہرہ چاند سا ہے کو لق و دق صحرا میں چھوڑ دے تو میں اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دوں گا۔ اسے وہاں چھوڑ آؤں گا۔ جہاں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہوگا۔ اور یہ نہیں کہوں گا کہ پھول سا بچہ جو بڑی مدت کے بعد ملا ہے۔ شام کے مرغزاروں سے لیجا کر صحراؤں میں چھوڑ آؤں۔ جہاں سبزہ نہیں ہے۔ جہاں پانی اور سبزہ زار درخت نہیں ہے۔ جہاں کسی متنفس کے رشتہ حیات کو برقرار رکھنے

کے لیئے کچھ بھی تو نہیں ہے۔

مالک تیرا جو حکم ہے بندہ اس کو پورا کرتا ہے۔ اسی وقت بی بی حاجرہ کو لیا اور بچے کو ساتھ لیا۔ ماں بیٹے کو لے جاکر بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ دیا۔ تھوڑی سی کھجوریں اور پانی کا مشکیزہ دے کر واپس ہونے لگے۔ مائی صاحبہ نے عرض کیا: یہاں پانی کا ایک قطرہ تک بھی نہیں، زندگی کا نام ونشان نہیں، دُور دُور تک آبادی دکھائی نہیں دیتی۔ کیسے چھوڑ کر جا رہے ہو؟ فرمایا۔ "یوں ہی نہیں چھوڑ کر جا رہا بلکہ خدا کے سپرد کر کے جا رہا ہوں؟ مائی صاحبہ نے عرض کیا: "اگر یہ بات ہے تو پھر فکر کی ضرورت نہیں؟

اذ قال ربّ لہٗ اسلم . . . . اگر مجھے شیر خوار بچے کو صحرا میں چھوڑنے کے لیئے کہا جائے گا تو مجھے عذر نہ ہوگا۔ کہ یہ پُر بہار وادیاں جو مصر کے قریب ہیں۔ بچے کو اس سے لطف اندوز تو ہونے دیا جائے۔ پھر حکم ہوا کہ اس کے گلے پر چھری پھیر دی جائے۔ آپ نے پھر بھی وعدہ بندگی پورا کر دیا۔ اور صحرا میں اپنے بیٹے اور اس کی والدہ کو چھوڑ دیا۔ آپ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ جو خدا کے ساتھ کیا تھا۔ تو وہاں زم زم کا چشمہ جاری ہوا یا نہیں؟ چھری حضرت اسماعیل کے گلے پر چلی یا دنبے کے گلے پر؟

جب بندہ اپنے خدا کے ساتھ کیئے گئے وعدے پورے کرتا ہے تو اس کی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں، کانٹے خود بخود پھولوں کا پیکر دھار لیا کرتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ حق بندگی انسان پورا کرے پھر اس کے فضل وکرم کی جو بارش ہوتی ہے۔ جو پھوار رم جھم برستی ہے۔ اس کا کوئی حد وشمار نہیں۔ اسی لیئے فرمایا:۔

" اوفوا بعهدی اوف بعهدکم "

ہمارا کام مشکل ہے۔ سہیں ہماری کمزوریاں، علم کی کمی مستقبل سے مایوس کر دیتی ہے۔ لیکن جب وہ وعدہ خدا کے ساتھ ہو تو پھر پریشانی کی ضرورت نہیں۔ اس کے در عظمت پر دستک دینا تیرا کام ہے۔ اور کام کو پورا کر دینا اس ربِ کریم کا کام ہے۔ قدم اٹھانا تیرا کام ہے اور پھر منزل تک پہنچانا اس کا کام ہے۔

حضرتِ یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں تھے انھوں نے اس وقت فریاد کی تھی۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ

"اے اللہ کوئی پرستش کے لائق نہیں مگر تو ہر عیب، ہر نقص، ہر کمزوری اور بے بسی سے پاک ہے۔ کوتاہی مجھ سے ہوئی، لغزش مجھ سے ہوئی میں تیرے حضور فریاد کرتا ہوں۔"

حضور نے فرمایا جب بھی کوئی مسلمان اپنے رب کے حضور ان پاکیزہ کلمات سے فریاد کرتا ہے جب بھی کسی پر کوئی ابتلاء پریشانی اور مصیبت آئے تو ان پاکیزہ اور نورانی کلمات سے اس کی رحمت کو جو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کی عاجزی پر رحم کرتا ہے۔

دوسری حدیث ہے آپ نے صحابہ کرام سے پوچھا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم میں سے کسی پر کوئی کرب مصیبت آزمائش اور آفت آجائے تو اس دعا سے فریاد کرے تو خدا تعالیٰ اس کی مصیبتوں کو ٹال دیتا ہے اور آلام و مصائب کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اگر حضور وہ دعا فرمادیں تو بڑی عنایت ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔

یہ وہ دعا ہے جب انسان بندگی کے فرائض ادا کرنے کے لیے کسی ایسے مقام اور جگہ سے گزر رہا ہو جہاں مشکلات کے کانٹے اس کے دامن صبر کو تار تار کر رہے ہوں تو یہ دعا پڑھے۔

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ بھی پیشِ خدمت ہے۔ ایک درویش سے اس کے شیخِ طریقت نے سوال کیا کہ اگر تم اپنے دوست کو ملنے کے لیئے اس کے گھر جاؤ اور اس کے دروازے پر کتا ہو اور وہ تم پر بھونکنا شروع کر دے تو تم کیا کرو گے۔ اس درویش نے جواب دیا کہ میں اس کتے کو مار کر رستے سے ہٹا دوں گا۔ اور اپنے دوست سے ملاقات کروں گا۔ شیخِ طریقت نے فرمایا یہ طریقہ نہیں کہ تم کتے کے ساتھ الجھنا شروع کر دو بلکہ طریقہ یہ ہے کہ دوست سے کہو کہ میں تیری ملاقات کے لیئے آیا ہوں۔ یہ کتا تیری اور میری ملاقات میں حائل ہے۔ اس کے گلے میں زنجیر ڈال دے۔ ایسے ہی جب تو خدا کے راستہ میں چلے۔ خدا کے حضور پہنچنے کے لیئے بندگی کے تقاضے پورے کرنے کے لیئے جادہ پیما ہو تو شیطان قدم قدم پر تیرا راستہ روکتا ہے تو اس کے شر سے بچنے کے لیئے خدا تعالیٰ کے حضور دعا کر خدا تیری تکلیف دور کر دے گا۔ کیونکہ فرمانِ خداوندی ہے۔" اوفوا بعھدی اوف بعھدکم "۔

ذرا سوچئے جب صحابہ کرام نے اپنے آقا سے کیا گیا وعدہ پورا کیا تو پھر قیصر اور کسریٰ ان کے قدموں میں جھک گئے یا نہیں؟ دنیا بھر کے خزانے ان کے ہاتھ آئے یا نہیں؟ اور وہ وادیاں جو نا قابلِ تسخیر اور نا قابلِ عبور تھیں ان کے سامنے سمٹ گئیں یا نہیں؟

تاریخ میں ایک بار بھی تو ایسا واقعہ نظروں سے نہیں گزرتا کہ مسلمانوں نے خدا کے ساتھ حق بندگی اور وعدہ پورا کیا ہو اور خدا نے انہیں یوں ہی بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہو۔

آج بھی جب کفر و ظلمت دل کی دنیا کو تاریک کرنے لگیں تو خدا کے دروازے پر ہی دستک دیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اسی طرح تکالیف سے نجات عطا فرماتا ہے۔

اب جبکہ خود خدا نے بھی فرمادیا اور رسولِ خدا نے بھی فرمادیا کہ جب کوئی مسلمان ان کلمات سے خدا کے حضور فریاد کرتا ہے تو خدا اسے قبول فرماتا ہے۔ تو اس میں کسی شک وشبے یا ابہام کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ارشاد فرمایا کہ میرے والد بزرگوار اور مرشد کامل نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی تکلیف پریشانی اور مشکل ہو تو قضائے حاجت کیلئے چار رکعت اس طرح پڑھا کرو۔

پہلی رکعت میں الحمد کے بعد ۱۰۰ مرتبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

دوسری رکعت میں الحمد کے بعد ۱۰۰ مرتبہ رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝

تیسری رکعت میں الحمد کے بعد ۱۰۰ مرتبہ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

چوتھی رکعت میں الحمد کے بعد ۱۰۰ مرتبہ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ

اس طرح شاہ عبدالعزیزؒ اپنے والد گرامی سے حضرت امام جعفر صادق کا ایک ارشاد نقل کرتے ہیں۔ کہ یہ چار آیتیں اسم اعظم ہیں۔
یہ ایسی مفتاح ہے کہ مشکلات کے سارے تالے اس سے کھل جاتے ہیں۔
مختصراً یہ عرض کرنا تھا کہ خدا فرماتا ہے۔

"اوفو بعھدی اوف بعھدکم"

تو مشکل جو پیش آتی ہے وہ بندگی کا وعدہ ایفا کرنے میں آتی ہے لیکن پھر بھی فریاد اسی کے حضور کی جاتی ہے۔ اور طریقہ یہی ہے کہ یہی دعا پڑھیں جو حضورؐ نے فرمائی ہے۔ ان حالات میں جبکہ ہر نئی صبح ایک نئی پریشانی اور ہر شام ایک نئی مایوسی لے کر آتی ہے۔ حالات کے اس مدّ وجزر میں اپنے خداوند کریم کے حضور دعا کریں کہ یا اللہ ہم نے گھر سے قدم اٹھایا تھا۔ تیرے دین کی سربلندی کے لیئے لگے

میں پھول ڈالنے کے لیئے نہیں، نہ ہی زندہ باد کے نعروں کے لیئے ۔ خدایا ہمارا پالا ایسے شاطر اور پتھر دل انسان[1] سے پڑا ہے جس کے سینے میں دل نہیں، پتھر کا ٹکڑا ہے۔ تو ہمیں مقصد میں کامیاب و کامران فرما۔

آمین!

مورخہ ۲۹ر اپریل ۷۷ء

بعد نمازِ فجر

ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

---

[1] ذوالفقار علی بھٹو

(۴) بعد از خطبہ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ۝

واجب الاحترام سامعین!
اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کن لوگوں سے محبّت کرتا ہے فرمایا جن میں یہ دو صفات پائی جاتی ہیں۔
(۱) وہ اپنے خدا کے حضور توبہ کرنیوالے ہوں۔ (۲) وہ پاکیزگی اور صفائی کو اختیار کرنیوالے ہوں۔
وہ بندہ اپنے خدا کو بڑا پیارا اور محبوب ہوتا ہے جو اپنے گناہوں کی خدا سے معافی مانگتا ہے۔ اور اس کے حضور جبین نیاز جھکاتا ہے۔ اور صاف ستھرا رہتا ہے۔
توبہ کا مطلب ہے بُری بات چھوڑ کر اچھی بات کی طرف لوٹنا۔ انسانیت کا تقاضا یہی ہے۔ کہ حیوانی اور شیطانی خصلتوں کو چھوڑ کر انسان کی بہبود اور افراد کی باہمی ہمدردی کو فروغ دیا جائے۔ توبہ کے لیئے ضروری ہے کہ انسان سب سے پہلے بُرے اعمال اور افعال پر شرمندگی اور خجالت محسوس کرے۔ پھر خدا کے حضور گڑگڑا کر معافی مانگے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرے۔ یہ نہیں کہ دوکان پر بیٹھے ہوئے جھوٹ بولتے رہے، کم تولتے رہے، اور آذان سنتے ہی دوڑ کر مسجد میں چلے گئے، نماز پڑھی اور ایک تسبیح استغفار کی بھی پڑھ ڈالی، اور یہ سمجھ لیا کہ میں گناہوں سے پاک ہو گیا ہوں۔ اس سے ہم اپنے آپ کو دھوکہ تو دے سکتے ہیں لیکن علیم و خبیر خداوند تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ ہاں اگر توبہ کرنے کے بعد دانستہ یا نادانستہ باوجود کوشش کے بھی گناہ ہو جائے تو پھر اپنے خدا کے حضور معافی مانگے۔ انشاء اللہ تو اُسے بخشنے والا رحیم و کریم پائے گا۔ توبہ کرنیوالا بندہ خدا تعالیٰ کو بڑا ہی پسند آتا ہے۔ خدا اس پر بڑا خوش ہوتا ہے۔ اور اس سے اسے جو خوشی ہوتی ہے اس کے متعلق

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اے میرے صحابہ کرام رض کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اس وقت کتنی خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔ جب ایک گناہگار بندہ اس کے در کرم پر دستک دیتا ہے۔ صحابہ رض کرام نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسُول کریم ہی بہتر جانتا ہے۔ فرمایا اس بات کو یوں سمجھیئے کہ آدمی سفر پر روانہ ہو اس کا زادِ راہ روٹی، پانی وغیرہ اونٹ پر لدا ہوا ہمراہ ہو۔ جنگل بیابان میں وہ پہنچ جائے۔ سفر کر کر کے وہ تھک جائے اور وہ ستانے کے لیئے جنگل میں کسی درخت کے نیچے سو جائے۔ جب اس کی آنکھ کھلے تو اس کا زادِ راہ اونٹ سمیت غائب ہو۔ قریب پانی بھی نہ ہو، کوئی متنفس اس کی مدد کے لیئے بھی موجود نہ ہو، نہ ہی کسی قریبی آبادی کا نام و نشان ہو تو اس مسافر کو کتنی پریشانی اور کتنا دکھ ہوگا؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے اُسے جتنی تکلیف اور پریشانی ہوگی۔ آپ نے فرمایا وہ اپنی اونٹنی کی تلاش میں جنگل میں مارا مارا پھرتا رہے۔ رہی سہی قوت بھی ختم ہو جائے۔ اس کی ساری اُمیدیں ختم ہو جائیں۔ وہ تھک کر کسی جگہ لیٹ جائے۔ پھر اچانک اس کی آنکھ کھلے تو اس کے پاس اس کی اونٹنی زادِ راہ سمیت موجود ہو۔ تو اسے کتنی خوشی ہوگی۔ کہ اس کی زندگی ختم ہونیوالی تھی۔ اس کے زندہ بچنے کی کوئی اُمید نہ تھی۔ ایسی حالت میں اسے حیاتِ نو مل گئی۔ اس کی زندگی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ پوری آب و تاب سے روشن ہو گیا۔ اور اس کی یاس و نا اُمیدی کی دنیا میں مسرت کی بہار آگئی۔ آپ نے فرمایا جتنی اس مسافر کو اونٹ سمیت اپنا زادِ راہ ملنے کی خوشی ہوئی ہوگی۔ اس سے کہیں زیادہ خوشی مولائے کریم کو اس وقت ہوتی ہے جب اس کا گم کردہ راہ بندہ اس کے آگے سر نیاز جھکا دیتا ہے اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے اور اس کی رحمت کو آواز دیتا ہے۔

آپ اس بات سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے توبہ کرنیوالے بندے سے کتنا پیار ہوتا ہے۔ جوانی ہی توبہ کی اصلی عمر ہے۔ لیکن درِ توبہ کبھی بند نہیں ہوتا بندہ جب بھی اپنے آقا کے درِ اقدس کو شرمندگی اور خجالت کے آنسوؤں سے کھٹکھٹاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بخشش گھٹائیں باندھکر اس کا استقبال کیا کرتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:۔

کہ جو سات آدمی قیامت کے روز سایۂ عرش کے نیچے ہوں گے۔ جب اس کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ تو اُن میں سے ایک وہ ہوگا جس کی جوانی عبادت میں گزری ہوگی۔ تو ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انہی سے محبت کرتا ہے جو اس کے حضور توبہ کرنیوالے ہوتے ہیں اور پاکیزگی اختیار کرتے ہیں۔ صاف ستھرے رہتے ہیں۔ صفائی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک ہوا کرتی ہے۔ ظاہری صفائی اور ایک ہوتی ہے باطنی صفائی۔ ظاہری صفائی تو یہ ہے کہ ہمارے کپڑے صاف ہوں۔ ہمارا بستر صاف ہو۔ ہمارے ہاتھ اور پاؤں صاف ستھرے ہوں لیکن باطنی صفائی کا یہ مطلب ہے کہ ہمارا آئینۂ دل بھی غلاظتوں سے پاک اور صاف ہو۔ ظاہری صفائی پانی وغیرہ سے ہو جاتی ہے اور باطن کی صفائی اشک ہائے ندامت سے ہوا کرتی ہے۔ اسلام نے مومن کو صفائی کے ساتھ ساتھ پاکیزگی کا درس دیا۔ پاکیزگی اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرے۔ آپ ذرا غور فرمائیں کہ اس حکیم نبیؐ نے ہمارے لیئے کیسی کیسی تعلیمات چھوڑی ہیں۔ دوسری اقوام کے ہاں اس بات کا قطعاً خیال نہیں رکھا جاتا کہ جس پانی سے ہم بدن صاف کر رہے ہیں یہ کیسا ہے؟ اور آجکل کے فیشن پرست اور ترقی پسند ماڈرن حضرات ایک ہی ٹب میں بیٹھکر نہاتے ہیں۔ جسم کی ساری غلاظتیں اسی ٹب میں اور وہی میل کچیل اور غلاظت مُنہ

اور آنکھوں میں داخل ہوتی رہتی ہے۔ لیکن اسلام ان چیزوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ اسلام کا طریقہ یا نظام ایسا ہے کہ اس پر عمل کرنے سے بھلا ہمارا اپنا ہوتا ہے۔ اور راضی رب کریم ہوتا ہے۔ اس پر عمل پیرا ہونے سے فائدہ ہمارا اپنا ہوتا ہے۔ اور خوش اللہ تعالیٰ ہو جایا کرتا ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اگر تم صرف وضو کر کے نماز پڑھو گے تو ایک نماز کا ثواب ملے گا۔ لیکن اگر مسواک کر کے وضو کرو گے اور پھر اس سے نماز پڑھو گے تو تمہیں ستائیس نمازوں کا ثواب ملے گا۔ آپ غور فرمایئے مسواک کرنے سے منہ ہمارا اپنا صاف ہوا، دانت ہمارے موتیوں کی طرح چمکنے لگے۔ اب ہم جو غذا کھائیں گے۔ وہ جراثیم سے پاک ہمارے معدہ میں جائے گی۔ جس سے ہماری اپنی صحت برقرار رہے گی۔ منہ سے بدبو کے بھبھوکے نہیں بلکہ خوشبو آئے گی۔ لوگ ہم سے نفرت نہیں محبت کریں گے۔ فائدہ ہمارا اپنا ہوا۔ لیکن اجر عظیم رب کائنات نے فرمایا۔ یہی اس کی بندہ نوازیاں ہیں۔ اور یہی اس کی مہربانیاں اور عنایات ہیں۔ تو ہمیں چاہیئے کہ ہم اس بات پر عمل کریں جس سے ہمارا رب کریم خوش ہو جائے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا!

تین جگہوں پر پیشاب کرنے والا لعنتی ہے ۱۔ سایہ دار درخت کے نیچے ۲۔ گزرگاہ (راستہ) پر ۳۔ پانی والی جگہ کے قریب۔

اب آپ خود غور فرمائیں کہ ایک مسافر گرمی کا مارا ہوا، تھکا ہارا، لُو کا جلایا ہوا دور سے ایک درخت کو دیکھتا ہے۔ اور اس کے سایہ میں پناہ لینے کے لیے دوڑتا چلا آتا ہے لیکن جب اس درخت کے نیچے آتا ہے تو وہاں غلاظت کے ڈھیر ہیں۔ تعفن اور بدبو ہے۔ وہ وہاں ٹھہر یا سستا نہیں سکتا تو وہ زبان سے پیشاب

کرنیوالوں کو کیا کہے گا؟ اسی طرح راستہ سے گزرتے وقت ہر راہ گیر اپنے ناک اور مُنہ پر رومال یا کپڑا رکھکر گزرے گا۔ اور جہاں سے لوگ پانی بھرتے ہوں وہاں گندگی کے ڈھیر ہوں تو ذرا تصور فرمائیں کہ ان لوگوں کو کتنی ذہنی اور جسمانی کوفت ہوگی اور وہ کیا سوچیں گے؛ اسی لئے نبیِ رحمت نے ہمیں ایسا کرنے سے منع فرما دیا تاکہ میرے امّتی دنیا میں مثالی امّتی ہوں۔ اور اسلامی معاشرہ پاکیزہ اور صاف ستھرا ہو۔ اگر ہم یہ اصول قومی سطح پر اپنائیں تو ہماری قوم کتنی سلیقہ شعار اور پاکیزہ ہو جائے لیکن افسوس کہ آج ہم اپنے گھر میں پاکیزگی اور صفائی نہیں رکھ سکتے۔ گھر کے صحن میں پیشاب اور پاخانہ کی احتیاط بھی نہیں کی جاتی۔

اسلام کے اصول، اس کا تمدّن، اس کی تہذیب اور اس کی ثقافت کتنی روح پرور ہے۔ ذرا غور تو کیجئے جب ایک مسلمان صبح سویرے اٹھتا ہے۔ تو سب سے پہلے اُٹھ کر وضو کرتا ہے۔ ہاتھ دھوتا ہے منہ اور دانت صاف کرتا ہے۔ چہرہ کا میل، آنکھوں کا میل دُھل جاتا ہے۔ وہ مسح کرتا ہے تو اس کے گیسوئے عنبریں تر ہو کر سنور جاتے ہیں۔ پھر وہ خدائے کائنات کے حضور اپنا سرِ نیاز جھکا دیتا ہے۔ اور اس کے بعد اپنے کام کا آغاز کرتا ہے۔ اگر ایسا کیا جائے تو کیا کیا برکتیں ظہور پذیر ہوں۔ جن کا کوئی حد و حساب ہی نہیں۔ لیکن دوسری قومیں اس نعمت سے محروم ہیں۔ وہ صرف اپنے جسم کی ظاہری صفائی کا خیال رکھتی ہیں۔ فرمایا:۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۝

آیت مبارکہ میں "طاھرین" نہیں فرمایا بلکہ "مُتَطَهِّرِينَ" فرمایا۔ یعنی وہ صفائی اور پاکیزگی رکھنے والے نہیں بلکہ بتکلّف اور کوشش کے ساتھ صفائی اور پاکیزگی رکھنے والے ہوتے ہیں۔ صفائی پر خاص توجہ دیتے ہیں اور خیال رکھتے ہیں۔

اس میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔

آئیے ہم سب اپنے خداوند کریم کے حضور عہد کریں کہ اُس کے ان بندوں میں شمار ہوں گے جن سے خدا محبت کرتا ہے۔ اور وہ، وہ ہیں جن کے بارے میں ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ ۝

۲۴ - اپریل ۱۹۷۷ء

(۴)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

لَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَہٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰہُ
وَکَانَ اَمۡرُہٗ فُرُطًا ○

محترم سامعین!
"اس شخص کو اپنا رہنما، پیشوا اور سربراہِ مملکت نہ بناؤ جس کے دل کو ہم نے
اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔"
یہاں ایک بات غور طلب ہے یہ نہیں کہا کہ اس شخص کو اپنا رہنما نہ بناؤ جس
نے اپنے دل کو ہماری یاد سے غافل کر دیا۔ بلکہ اس کے برعکس فرمایا کہ جس کے دل
کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا۔ یہ وہ مقام ہوتا ہے جب انسان مسلسل نافرمانی
کی وجہ سے باغی ہو جاتا ہے۔ ہم اسے دعوت تو دیتے ہیں نیکی کی لیکن وہ برائی کا
راستہ اختیار کرتا ہے۔ ہم اُسے خیر کی طرف بلاتے ہیں مگر وہ شرّ کی طرف جاتا ہے۔
اور جو لوگ پے در پے بغاوت کرتے ہیں۔ حق بات سنتے ہی کانوں میں
انگلیاں ڈال لیتے ہیں اور جان بوجھ کر ہلاکت کے گڑھے میں گرتے ہیں۔ ہماری
رحمت ان کی منّت نہیں کیا کرتی، خوشامد نہیں کرتی، ہماری رحمت ان کی دستگیری
نہیں کرتی بلکہ ہم انہیں ہلاکت اور تباہی کے گڑھے میں گرنے دیتے ہیں۔
اس لیئے فرمایا کہ تم ایسے لوگوں کو اپنا رہنما اور پیشوا نہ بناؤ کیونکہ اُن کے
پیچھے چلنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ وہ خود بھی ڈوبتے ہیں اور اپنی قوم کو بھی لے
ڈوبتے ہیں۔ "دانش برہانی" سے "دانش نورانی" کے مقام پر وہی فائز ہوتے ہیں جو

خدا کی تابعداری کرتے ہیں۔ لیکن جس نے شریعتِ محمدیہ کو نظر انداز کر دیا۔ اس کے ساتھ مذاق کیا۔ اس کے اصولوں پر عمل نہ کیا۔ وہ ہزار ڈینگیں مارے، وہ ہزار دعوے کرے لیکن وہ اپنے اور اپنی قوم کے ساتھ نیکی اور بھلائی نہیں کیا کرتا۔ اگر کسی قوم کا رہنما کوآ ہو جائے تو وہ گمراہی کی طرف رہنمائی کرے گا۔ تو جو قوم بھی کوّا صفت افراد کے پیچھے چلتی ہے وہ تباہی کے گڑھے میں گرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو صلاحیتیں اسے راہِ حق کے لیے عطا فرمائی تھیں اس نے پرواہ نہ کی اور وہ سرکشی اور نافرمانی کے راستہ پر سرپٹ دوڑتا گیا اور ہوائے نفس کا شکار ہو گیا۔

جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے یہ اس لیے پڑھی کہ کل اخبار میں ایک فوٹو تھی۔ جس میں بھٹو صاحب تھے اور ان کے گرد وہ لوگ بھی تھے۔ جن کو وہ ایم۔ این۔ اے کہتے ہیں۔ بھٹو صاحب تو وہ ہیں جن کا دِل یادِ خدا سے باغی ہے اور جو لوگ انہیں تعاون اور[1] وفاداری کا یقین دلا رہے تھے۔ وہ قوم کے نمائندے نہیں تھے۔ یہ بدقسمتی ہے کہ نفس کے پرستاروں کو خوشامدی مِل ہی جاتے ہیں۔ جو ملک قوم اور اپنے ماننے والوں سے غداری کرتے ہیں۔

اس لیئے تم اب اُن سے کوئی رشتہ نہ رکھو بلکہ یہ بتا دو کہ پاکستان کے عوام کی نخوت اور غیرت کو کند چھری سے ذبح کرنیوالو! حق باقی ہے اور باقی رہے گا۔ حق کے

---

[1] حضرت ضیاء الامت مدظلہ، فرماتے ہیں کہ جیل میں میری دو راتیں بڑے ہی کرب میں گزریں۔ ایک وہ جب مجھے پتہ چلا کہ جعلی اسمبلی کے تمام ممبروں نے بے ضمیری سے کام لیتے ہوئے بھٹو صاحب کو تعاون کا یقین دلایا ہے اور دوسری وہ رات جب افواج پاکستان کے سربراہوں نے بھٹو کی غیر آئینی حکومت کو آئینی حکومت قرار دے کر اس کے تحفظ کا اعلان کیا۔ (مرتب)

پرستار باقی رہیں گے۔ باطل مٹ جائے گا اور اس کا نام و نشان تک بھی نہیں رہے گا۔ یہ لوگ زندگی کے سمندر پر چند بلبلے ہیں جو مٹ جائیں گے۔ دوام انہیں کو بخشا جاتا ہے بقاء انہیں کو عطا کیا جاتا ہے جو اہل حق کے ساتھ اپنا رشتہ استوار کرتے ہیں۔

حضرت آسیہ جب موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں اور فرعون کو پتہ چلا تو اس نے سوچا کہ یہ اس پر ایمان لائی ہے۔ جو میری طاقت اور اقتدار کے لیئے خطرہ ہے آپ جانتے ہیں کہ ان لوگوں کو یہی خدشہ رہا کہ یہ اہل حق ہمارے اقتدار کے لیئے خطرہ ہیں۔ یہ درویش اور بوریہ نشین ہمارے اقتدار کے لیئے خطرہ ہیں۔ اس نے سمجھایا کہ اگر تو میری خدائی کو نہیں مانے گی تو اور کون مانے گا۔ یہاں تیری خدمت کے لیئے زیورات ہیں، محلات اور پارچات ہیں تو کیوں عیش و آرام کی زندگی سے روٹھتی ہے۔ دنیا کی زیب و زینت سے کیوں منہ پھیرتی ہے۔ لیکن حق کا مزہ بھی عجیب ہوتا ہے۔ سب سے شیریں تر۔ حضرت آسیہ نے کہا تو بندہ تو ہو سکتا ہے۔ خدا نہیں ہو سکتا۔ فرعون اقتدار کے نشہ میں بدمست ہو گیا۔ اس نے آرام و آسائش کی ساری اشیاء، حسن و زیبائش کی ساری چیزیں اور نام و نمود کا تمام سامان آسیہ سے چھین لینے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن اتنے سارے تعلقات کو یکسر ختم کر دینا مصلحت کے خلاف سمجھا۔ زیور عورت کی بہت بڑی کمزوری ہوتا ہے۔ لیکن اُن عورتوں کا جن کو حق کا عرفان نصیب نہیں ہوتا۔

تو فرعون نے پہلے زیورات جن سے وہ اپنے آپ کو مزین کیا کرتی تھی۔ واپس لے لیئے پھر پارچات اور کنیزیں واپس لے لیں۔ اس کا خیال تھا کہ آسیہ ان چیزوں کے چھن جانے کا صدمہ برداشت نہ کر سکے گی۔ اور میری خدائی کے آگے سر تسلیم خم کر دے گی۔ لیکن ہر باطل پرست کی طرح اس کا بھی یہ خیال غلط نکلا اور

آسیہ کو ہر آزمائش نے مزید استقامت بخش دی۔ چنانچہ پھر قوم کے سامنے اُسے پھانسی چڑھانے کا اعلان کر دیا گیا۔

وہ پھانسیاں آجکل کی پھانسیاں نہ تھیں کہ گلے میں پھندا ڈالا اور معاملہ ختم بلکہ لکڑی کے تختہ پر کھڑا کر کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں میں کیل ٹھونک دیئے جاتے اور پھر تیروں اور پتھروں کی بارش کر کے آدمی کو تڑپا تڑپا کر ختم کر دیا جاتا۔ فرعون کا یہ فیصلہ عقل کا فیصلہ نہ تھا نفس کی خواہش تھی اور آسیہ کا پاگل پن نہ تھا بلکہ اس کے ایمان کا فیصلہ تھا۔

کیا وجہ ہے اس کی؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہماری یاد سے غافل ہو جاتا ہے وہ "وَتَبَّعَ هَوَاءُ" اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے، خدا رسول، اور اللہ کے نیک بندوں کی نہیں اپنے نفس کی۔ اُسے نہ اپنی قوم سے پیار ہوتا ہے۔ اور نہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہ مخلص ہوتا ہے۔ اور نہ اُسے خود اپنے انجام کی فکر ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز سے بے پرواہ آنکھیں بند کر کے اپنی ڈور خواہشات کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ اور جو شخص ہوائے نفس کا شکار ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ راستہ درست ہے۔ اور اسی پر چل کر لوگ میری عزت کریں گے۔ احترام کریں گے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اسی میں میری کامیابی کا راز ہے۔

ابوجہل اور ابولہب نے حضور کی مخالفت کا پروگرام بنایا۔ اپنے آپ کو دانشور سمجھا، عقل مند سمجھا اور حضور علیہ السلام کو مجنون، ساحر کہتے رہے۔ اپنے آپ کو زیرک اور دانا کہتے تو نتیجہ کیا نکلا کہ وہ خود بھی غرق ہوئے اور ان کے پیروکار بھی تباہ ہوئے۔ دنیا بھی گئی اور آخرت بھی تباہ و برباد ہو گئی۔ اور جو اپنے نفس کی پیروی کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو بڑا زیرک، سیاست دان اور بزرجمہر کہے لیکن وہ خود بھی غرق ہو گا۔ اور اس کے ساتھی بھی!

آپ نے غور فرمایا پھانسی کے تختہ پر چڑھنے کا فیصلہ کون کر رہی تھی۔ مصر کی خاتونِ اوّل جو ناز و نعم کے ساتھ پلی تھی۔ جو پھولوں کی سیج پر سوتی تھی۔ آرام و آسائش اور زندگی کی ہر سہولت اُسے میسّر تھی۔
یہ اس کا فیصلہ نہیں تھا بلکہ سلطانِ عشق کا فیصلہ تھا۔ اور انہیں کے فیصلے درست ہوتے ہیں اور انہیں کی زندگی آفتاب سے زیادہ روشن اور شبنم سے زیادہ پاکیزہ ہوتی ہے۔
تو فرمایا:۔ جس بدبخت کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اس کی پیروی مت کرو کہ اس کی باگ ڈور عقل و دور اندیش کے ہاتھ میں نہیں بلکہ ہوائے نفس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے کہ ہم انہیں کو اپنا رہنما بنائیں جن کے دِل خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوتے کیونکہ انہی کے فیصلے درست اور صحیح ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے نہ کرے جو جھوٹے اور خوشامدی ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو آدمی خُدا، مصطفےٰ اور اسلام کے ساتھ وفاداری نہیں کر سکتا۔ وہ بھٹو صاحب کے ساتھ وفاداری کیسے کرے گا۔ بھٹو ڈوبے گا جلد ڈوبے گا اور بہت جلد ڈوبے گا اور ان سب کو لیکر ڈوبے گا۔
ہم اُن کے پیروکار ہیں جن کے دِل میں خدا کی یاد ہے۔ جن کا فیصلہ سلطانِ عشق کا فیصلہ ہے۔ اور سلطانِ عشق کا فیصلہ تسلیم کرنے والے ہی دنیا اور آخرت میں کامیاب ہیں اور چند روزہ عیش و آرام کیلئے اپنے ملک کے مفاد سے غدّاری کرنیوالے خائب و خاسر ہوا کرتے ہیں اور ملک و قوم کے لیے مرنیوالے ہی کامیاب و کامران ہیں؛

بعد نمازِ فجر مورخہ ۲۴ اپریل ۷۷ء
ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

(۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

برادرانِ اسلام!

حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے خزانوں میں سے جو کچھ مجھے عطا فرمایا ہے اس میں سے ایک وظیفہ یہ بھی ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۝ آپ نے فرمایا اس کے پڑھنے سے ننانوے تکالیف دور ہوتی ہیں۔ ان میں سے سب سے گھٹیا فروتر اور چھوٹی پریشانی جو اس کے ذکر سے دور ہوتی ہے وہ ہے افسردگی، یعنی دل میں جب افسردگی کے بادل چھا جاتے ہیں، جب پژمردگی گھیر لیتی ہے۔ تو دل افسردہ ہو جاتا ہے۔ دل وہ بادشاہ ہے جس کی حکومت جسم کے ہر حصّہ پر ہوتی ہے۔ دل خوش ہو تو ہر عضو اپنے اعمال طبعی ادا کرتا رہتا ہے۔ دل خوش ہو تو کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی، دل بجھا بجھا ہو تو رنگا رنگ کے کھانے اور مرمریں محلّات عیش و آرام اور سیر و تفریح بھی اُسے خوش نہیں کر سکتے۔ تمام ناخوشی اور خوشی کا اظہار دل کرتا ہے اور اسی پر انحصار ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے وہ خزانے جو عرش کے نیچے ہیں۔ انہی میں سے ایک یہ ہے کہ تم کثرت سے پڑھا کرو،

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۝

بڑی تکلیف کا اندازہ ہم نہیں کر سکتے لیکن خدا کے نزدیک سب سے کم تکلیف اور پریشانی جو اس کے پڑھنے سے دُور ہوتی ہے۔ یعنی جو کم سے کم فائدہ اس وظیفہ سے ہوتا ہے وہ ہے کہ الھم یعنی دل کا بجھا بجھا ہونا ختم

ہو جاتا ہے۔

آپ اندازہ کریں کہ اس دل کا بجھا بجھا ہونا اور دل کا پریشان اور افسردہ ہونا انسان کے لیے سب سے بڑی تکلیف ہے۔ آپ کو ہزار ہا آرام و آسائش میسر ہوں لیکن سکون قلب نہ ہو تو کسی چیز میں کوئی لطف ہی نہیں ہوتا۔ تو یہی عدم اطمینان سب سے بڑی تکلیف اور پریشانی ہے لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ پڑھنے سے جو کم سے کم فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ سکون قلب کا حاصل ہونا ہے۔ تو آپ اندازہ فرمائیں کہ جب کم سے کم فائدہ یہ ہے تو اس کے علاوہ جو اُٹھانوے فوائد اور انعامات ہیں وہ کتنے بڑے ہوں گے۔ سکون قلب دنیا کی دولت، کاروں اور کوٹھیوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا ہر نعمت عطا کرنے کے اب سکون قلب سے محروم فرما دیتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے لوگوں کو دو نعمتیں ملی ہوئی ہیں، تندرستی اور فارغ البالی، پھر یہی دو نعمتیں ان کے لئے نقصان اور خسارے کا باعث بن جاتی ہیں۔[1] معلوم یہ ہوا کہ نعمتیں خسارے کا باعث بھی بن جاتی ہیں، اسی لیے کہ ان کے حاصل ہونے کے بعد دل کی افسردگی اور پریشانی دور نہیں ہوتی۔

---

[1] عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس الصحۃ والفراغ (مشکوٰۃ شریف کتاب الفرقان، الفصل الاول) مرتب،

ایک اور حدیث پاک میں رسول اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ابن آدمؑ سے کہتے ہیں کہ تو سب طرف سے ہٹ کر، ہر طرف سے توجّہ ہٹا کر میری عبادت میں لگ جا۔ میں تیرے دل کو تونگری سے بھر دوں گا اور تجھے کسی کا محتاج نہ ہونے دوں گا۔ اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے ہاتھوں کو تو مال سے بھر دوں گا۔ لیکن تیری (دل کی) محتاجی کو دُور نہیں کروں گا۔[1] اس حدیث پاک میں تصریح فرمادی کہ جب دل کی تونگری، سکون نصیب نہ ہو تو دولت کے انبار ہوتے ہوئے بھی انسان محتاج ہی رہتا ہے۔ وہ ہر دروازے پر دستک دیتا ہے وہ ہر آستان پر جبہ سائی کرتا رہتا ہے، باطل کی پرستش کرتا رہتا ہے۔ مگر اس کی ضرورت کہیں بھی پوری نہیں ہوتی، مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور سرِ نیاز جُھکاتا ہے۔ وہ دنیا کی ہر چیز سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکمرانوں کو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی سکونِ قلب نصیب نہیں ہوتا لیکن فقیر اور درویش کو ایک گودڑی میں وہ قرار حاصل ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ دل کی پریشانی اور افسردگی سب سے بڑی تکلیف ہے۔ لیکن خدا کے نزدیک یہ ان ننانوے میں سے کم ترین تکلیف ہے جو اس وظیفہ سے دور ہوجاتی ہے۔ یہ حضور نے اس لیے فرمایا کہ اس دنیا میں آپ کو دوستی، دشمنی اور ناسازگار حالات سے واسطہ پڑے گا۔ وہ وقت بھی آسکتا ہے جب آپ بے سہارا ہوکر

---

[1] عن ابی هريرة قال قال رسول الله ان الله يقول ابن آدم تفرغ لِعبادتي املأ صدرك غنى او اسد فقرك وان لا تفعل ملأت يدك شغلا ولم اسد فقرك (مشکوٰۃ شریف. کتاب الرقاق الفصل الثانی مرتب)

پریشان ہو جائیں۔ اس لیے جب آپ کا کوئی سہارا نہ رہے۔ آپ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے تو اس وقت یہ بہت بڑا آسرا ہے۔

یہ میرا تجربہ بھی ہے۔ حالانکہ حضور کے فرمان کے بعد کسی تجربے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جو کچھ حضورؐ نے فرما دیا وہی حرفِ آخر ہے۔ ویسے مجھے تو تکلیف میں اس ذکر کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آگ پر پانی ڈال دیا گیا ہو۔

یہ وظیفہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عرشی خزانوں سے عطا فرمایا ہے۔ یہ سکونِ قلب کے حصول کے لیے اکسیر اعظم ہے۔ کیونکہ ساری نعمتیں موجود ہوں۔ پھر بھی سکونِ قلب نہیں ہوتا اور جب آپ کو سکون نصیب ہو گا۔ آپ کا دل خوش ہو جائے گا۔ تو آپ کو ہر چیز میں بہار ہی بہار اور مسرّت ہی مسرّت نظر آئے گی۔ لیکن یہ یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر کے بغیر سکونِ دل کا حصول ناممکن ہے[1]۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نعمتوں سے نوازے اور سکونِ دل نصیب فرمائے۔ آمین!

---

[1] الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (القرآن)

۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصّلوٰۃ معراج المؤمنین ؕ

گرامی مرتبت حاضرین!

اس وقت جبکہ ایک مقدس مشن کے لیئے ہم یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنا وقت دیا ہے کہ شاید زندگی میں ہم کبھی اتنے فارغ نہیں ہوئے تھے۔ کم از کم مجھے تو کبھی اتنا فارغ وقت نہیں ملا تھا جب ہم یہاں چوبیس گھنٹے فارغ ہیں۔ تو ہم کم از کم یہاں نماز تو سیکھ لیں۔ تاکہ جب یہاں سے جائیں تو ہمارا دامن مراد خالی نہ ہو۔ ہم جیسے آئے ہیں ویسے ہی واپس نہ چلے جائیں۔ بلکہ نماز پڑھنا تو سیکھ جائیں۔ اسے تو صحیح کر لیں تاکہ ہماری نماز وہ نماز بن جائے جس کے بارے میں ارشاد گرامی ہے۔

الصّلوٰۃ معراج المؤمنین ؕ

ہر چیز کا ایک ظاہری وجود ہوتا ہے اور ایک باطنی۔ اسی طرح نماز کے بھی دو وجود ہیں، ظاہری نماز اور باطنی نماز،

ظاہری نماز تو یہ ہے کہ ہم تکبیر کہہ کر دعا پڑھتے ہیں۔ قیام کرتے ہیں۔ رکوع اور سجود کرتے ہیں۔ کوئی سلام کہے تو اس کے سلام کا جواب نہیں دیتے۔ کوئی بلاتا ہے۔ ہم اس کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ اسی طرح باطنی نماز یہ ہے کہ ہمارا دل بھی اس چیز کی گواہی دے جو ہماری زبان کہہ رہی ہے جس طرح اللہ اکبر کہنے کے بعد ہم کسی کے سوال کا جواب نہیں دیتے۔ بچہ رو رہا ہے۔ ہم اُسے چپ نہیں کرا سکتے۔ ادھر ادھر نہیں دیکھ سکتے اور اردگرد کے احول سے بے نیاز

ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح چاہیئے کہ جب اللہ اکبر کہیں تو ہمارا دل بھی دنیا سے بے
نیاز ہو جائے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف دھیان رہے۔ آپ کو یاد ہو گا۔
کہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو ایک جنگ میں ایک تیر چبھ گیا۔ جب ساتھی وہ تیر
نکالنے لگے تو آپ کو سخت درد محسوس ہوا۔ کچھ ساتھیوں نے کہا کہ اس وقت تیر
نہ نکالو جب حضرت علی نماز پڑھنے لگیں گے تو تم تیر کھینچ لینا۔ کیونکہ اس وقت آپ
دنیا سے بے خبر ہو جایا کرتے ہیں اور آپ کو محسوس تک بھی نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایسا
ہی کیا گیا۔ اور عین حالتِ نماز میں تیر کھینچ لیا گیا اور آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔
تو ہر مسلمان کو ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ جب وہ نماز میں ہو تو جو کچھ وہ پڑھ رہا ہو۔
اس کا دل اس کی گواہی دے رہا ہو۔ جو کچھ اس کی زبان سے جاری ہو۔ اس
کے ہاتھ اور جسم کا ہر عضو اسی کے مطابق عمل کر رہا ہو۔ وہ یوں محسوس کرے
کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو یہ خیال کرے کہ جیسے وہ خُدا کو دیکھ
رہا ہے۔ یہی نماز ہے جو مومن کی معراج ہے۔ جو انسان کو فرشتوں سے برتر بناتی
ہے۔ اور خدا تعالیٰ تک پہنچا دیا کرتی ہے۔ آپ خیال کر رہے ہوں گے کہ یہ ناممکن
ہے یہ ناممکن نہیں بلکہ آسان ہے لیکن ایک دن میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ مسلسل
مشق سے ہی یہ ممکن ہے۔ آپ کو اس کے لئے پیہم کوشش کرنا پڑے گی اور
تب کہیں جا کر آپ اس میں کامیاب ہوں گے۔

آپ جانتے ہیں کہ "الف" حروف تہجی میں آسان ترین حرف ہے۔ لیکن
پہلے روز یہ لکھنا بھی مشکل ہو جایا کرتا ہے۔ اور مسلسل محنت و کوشش سے طالب علم
صرف یہی نہیں بلکہ دوسرے مشکل لفظ بھی لکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح

شروع میں آپ کو یہ بات مشکل محسوس ہوگی۔ لیکن آہستہ آہستہ لگاتار محنت سے آپ کا دل نماز میں لگنے لگے گا۔ آپ کو وہ کیف و سرور نصیب ہوگا کہ سجدے سے سر اٹھانے کو آپ کا جی ہی نہیں چاہے گا پھر آپ حضرت رابعہ کی طرح یہ کہنے لگیں گے۔ کہ یا اللہ تیری راتیں اتنی چھوٹی ہیں کہ تیری بندی کا ایک سجدہ بھی پورا نہیں ہوتا تو ہم ایسی نماز پڑھیں جس میں خلوص ہو خضوع و خشوع ہو، اور صرف رضائے الٰہی کا باعث ہو۔ آپ کے ذہن میں یہ خیال تک بھی نہ آئے کہ یہ عبادت جو ہم کر رہے ہیں۔ یہ جنت کے لیئے ہے یا کسی اور دنیوی مقصد کے لیئے بلکہ آپ کی تمام عبادتیں خدا کی رضا کے لیئے ہوں۔ عبادت کا مقصد خدا کی رضا کا حصول ہونا چاہیئے۔ جنت تو خدا کی طرف سے انعام کے طور پر حاصل ہوا کرتی ہے کیونکہ جب بندہ پر خدا راضی ہو جایا کرتا ہے تو دنیا کی ہر چیز اس بندے کے ہاتھ آجاتی ہے۔ سلطان محمود غزنوی کا ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔ کہ ایک دن انہوں نے حکم دیا کہ تمام خزانوں کے منہ کھول دیئے جائیں۔ خزانوں کے منہ کھول کھول دیئے گئے۔ سلطان نے اپنے درباریوں اور دیگر لوگوں کو کہا کہ وہ جو کچھ چاہیں اور جتنا چاہیں جا کر لے لیں۔ تمام لوگ خزانوں پر ٹوٹ پڑے۔ کسی نے سونے پر ہاتھ صاف کیا۔ کسی کے ہاتھ جواہرات لگے۔ کسی نے چاندی کے ڈھیر پر قبضہ کر لیا۔ کوئی گھوڑے لے کر چلتا بنا۔ غرض کسی کے ہاتھ جو کچھ لگا وہ لیتا بنا۔ لیکن ایاز نے آگے بڑھ کر خود سلطان محمود کے سر پر اپنا ہاتھ رکھدیا۔ سلطان نے کہا بڑے بیوقوف ہو کوئی سونے پر ہاتھ رکھ رہا ہے اور کوئی چاندی پر۔ کوئی جواہرات لے جا رہا ہے اور کوئی دیگر سامان اور تم نے میرے سر پر ہاتھ رکھدیا۔ کہنے لگا۔ آپ نے خود کہا ہے کہ

جس چیز پر کوئی ہاتھ رکھ دیگا وہ اسی کی ہو جائیگی تو اس لئے میں نے آپ کے سر پر ہاتھ رکھا ہے جنہوں نے سونے اور جواہرات پر ہاتھ رکھا ہے وہ انہیں مبارک ہو مجھے تو آپ کی ضرورت ہے۔ اور جب آپ میرے ہو جائیں گے تو پھر کمی کس چیز کی رہ جائیگی پھر ساری چیزیں اور سارے خزانے میرے ہو جائیں گے یہ سُن کر سلطان بے حد خوش ہوا۔ تو دیکھا آپ نے کہ ایاز نے سلطان کے سر پر ہاتھ رکھ دیا کہ ساری دنیا تو میرے جواہرات اور سونے چاندی کی مالک بن گئی لیکن آپ میرے ہو گئے اور جب آپ میرے ہو گئے تو پھر کون سی چیز کی کمی رہ گئی تو کیوں نہ ہم اپنے ربِ کریم کو راضی کر لیں جب وہ راضی ہو جائے گا تو کائنات کی ہر شے ہماری ہو جائے گی۔ ساری دنیا ناراض بھی ہو جائے تو فکر کی کوئی بات نہیں لیکن اگر ساری دنیا راضی ہو اور اللہ تعالیٰ ناراض ہو تو یہ زندگی ہمیشہ خسارے میں رہے گی۔ اور اس سودے پر پچھتانا پڑے گا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم نماز باقاعدگی سے پڑھیں اور ایسے پڑھیں کہ ہمارا رب ہم سے راضی ہو جائے۔ تب ہی ہم اپنے آپ کو کامیاب انسان تصور کر سکتے ہیں۔ یہ بات عشق اور محبت ہی سے ممکن ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس فارغ وقت سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اور نماز کو صحیح طریقہ پر ادا کرنے کی کوشش کریں گے۔ نماز کے بعد ذکرِ الٰہی بڑی برکتوں اور سعادتوں کا باعث ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ ہر چیز پر زنگ چڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح دل پر بھی دنیاوی آلائشوں کا گرد و غبار جم جاتا ہے۔ اور آئینۂ دل غبار آلود ہو جایا کرتا ہے۔ تو جس طرح ہر چیز کا زنگ اتارنے کے لیئے خداوند ذوالجلال نے کوئی نہ کوئی چیز بنائی ہے۔ ایسے دل کی صفائی کے لئے بھی ہمیں طریقہ بتایا۔ کپڑے میلے

ہو جائیں تو انہیں صاف کرنے کے لئے صابن استعمال کیا جاتا ہے. لوہے پر زنگ لگ جائے تو اسے اتارنے کے لئے جس طرح ریگمار استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح آئینہ دل کی صفائی کے لیے ذکرِ الٰہی سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے۔

ہمیں چاہیئے کہ اپنے دل کی صفائی اور پاکیزگی کے لیے ذکر الٰہی کو اپنا وظیفہ بنائیں. جب ذکر الٰہی میں ہمارا دل محو ہو جائے گا اور دنیوی آلائشوں سے ہمارا دِل صاف ہو جائے گا. تو ہمیں عبادت میں وہ لذت و سرور حاصل ہو گا کہ جس پر ملائکہ بھی ناز کریں گے.

؎ فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

---

(۶)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ

اُمّتِ محمّدیہ کے عظیم مجاہدو!

یہ آیت کریمہ جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ اس میں مولائے کریم نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے ایک تو اُمتِ محمّدیہ کا جو مقام ہے وہ بیان کیا اور دوسرا اس امت کے جو فرائض ہیں ان کا ذکر فرمایا کہ اس کا مقام کیا ہے اور اس کے فرائض کیا ہیں۔ نیز اسے یہ مقام کیوں بخشا گیا؟

امت کے مقام کے بارے میں فرمایا کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ جتنی بھی اُمتیں آئیں۔ جتنی بھی قومیں اولادِ آدم میں پیدا ہوئیں۔ اُن میں سب سے برتر، سب سے اعلیٰ اور سب سے بہترین اُمت تم ہو۔ نوح علیہ السّلام کی امت سے بھی حضرت ابراہیمؑ کی امت سے بھی، حضرتِ موسیٰ علیہ السّلام جیسے جلیل القدر پیغمبروں کی اُمتوں سے بھی اے غلامانِ مصطفےٰ! تم بہترین ہو۔

یہ مقام کیوں بخشا گیا؟ یہ اعزاز کیوں عطا فرمایا گیا۔ اور اس شرف سے کیوں نوازا گیا۔ اس کی وجوہات بھی آگے خود ہی بیان فرما دیں۔ وہ ربّ العالمین ہے صرف ربّ المسلمین نہیں۔ وہ ایک قوم کا نہیں ساری کائنات کا ربّ ہے۔ اسی طرح نبی کرمؐ صرف مسلمانوں کے لیئے ہی نہیں ساری کائنات کے لیۓ رحمت ہیں۔ اور ایک قوم کے لیۓ نہیں۔ قیامت تک کی ساری اقوام کے لیۓ سراپا ہدایت ہیں۔ تو جس ربّ کی ربوبیت عمومی ہو جس کے نبی کی رحمت عمومی ہو۔ جو ساری کائنات کا

ربّ ہو۔ اور اس کا نبی ساری کائنات کا ہادی ہو۔ اُس نبی کی اُمت صرف ایک قوم کے لیے نہیں فرمایا۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ " تمہارا اس دنیا میں ظہور پذیر ہونا صرف اپنوں کے فائدہ اور صرف اپنوں کے نفع کے لیئے نہیں بلکہ جتنی اولادِ آدم ہے۔ جتنے انسان ہیں۔ سب کے لیئے تمہارا وجود فیض وکرم کا باعث ہے۔ رحمت و برکت کا موجب ہے۔

؎ دورِ دوستاں را بہ احسان یاد کردن ہمّت است ؛ ورنہ ہر نخل بر پائے خود ثمر می افگند

اپنے سلیتے اور اپنوں کے لیئے ہر کوئی فائدہ کا باعث ہوا کرتا ہے۔ لیکن اے غلامانِ مصطفےٰ صرف اپنوں کے لیئے نہیں بلکہ جو تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔ اُن کے لیئے بھی تمہاری رحمت کی چادر وا ہونی چاہیئے ابرِ کرم جب برستا ہے تو وہ سرسبز و شاداب کھیتوں پر ہی نہیں بلکہ جنگلوں اور ریگستانوں پر بھی اس کی موسلا دھار بارش برستی ہے تو امتِ محمدیہ ساری قوم کے لیئے رحمت و برکت کا سرچشمہ ہے۔ اور ہر چیز اس سے فیضیاب ہوتی ہے۔

آپ حیران ہوں گے کہ جو لوگ حضور کے دین میں آگئے اور جو قومیں مسلمان نہیں ہوئیں اور اب تک نہیں ہوئیں اور وہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے بغض و عناد رکھتی ہیں۔ ان کو بھی اسلام کی وجہ سے کئی برکتیں حاصل ہوئی ہیں۔ وہ خود اعتراف کریں یا نہ کریں۔ لیکن یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔

آپ ان قوموں کی اسلام سے قبل اور اس کے بعد کی زندگی ملاحظہ کریں۔ تو یہ حقیقت آپ پر واضح ہو جائیگی۔ ہندوؤں کی مسلمانوں سے قبل کی رسوم مثلاً ذات پات کی تقسیم اور ستی کی رسم، ستی کی رسم جس میں خاوند کی وفات کے بعد

اس کی بیوی بھی اسی کے ساتھ آگ میں جل کر راکھ ہوجایا کرتی تھی۔ خواہ اس کی شادی کو ایک ہی دن کیوں نہ گزرا ہوتا۔ اُسے نہ تو اپنے آنگن میں چہکتے ہوئے پھولوں کی خوشبو نصیب ہو سکتی اور نہ ہی مانگ میں خوشی اور مسرت کی کہکشاں اپنا روپ اور جلوہ دکھا سکتی۔ نہ اس کی زندگی کے ارمان پورے ہوتے۔ زندگی کسے عزیز نہیں ہوتی۔ لیکن یہاں اس بُرائی اور صریح ظالمانہ اقدام پر کوئی آواز بلند نہ ہوتی تھی۔ لڑکی کی ماں اس کے پاس ہوتی۔ باپ کے سامنے بیٹی شعلوں کی لپیٹ میں چلی جاتی اور بھائی اپنی محبت کو اپنی آنکھوں سے بھسم ہوتے دیکھتا رہتا۔ لیکن کوئی بھی اس ظالمانہ فعل پر صدائے احتجاج بلند نہیں کیا کرتا تھا۔ لیکن جب اسلام کا نور فلک ہند پر جلوہ فگن ہوا تو جہاں اس نے اور لوگوں کو کفر کی دلدل سے نکال کر رشد و ہدایت کی وادی میں پہنچایا۔ وہاں ہندوؤں کی اس بُری رسم پر بھی وہ ضرب لگائی کہ ان کے دل میں بیٹی کی عزت و ناموس پیدا ہوئی اور وہ اس برائی سے اجتناب کرنے لگے گی۔

اسلام میں گورے اور کالے، امیر اور غریب کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اور اسلام اپنے ماننے والوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن ہندوؤں میں ذات پات کا وہ چکر تھا کہ انسان پر اس کے تصور سے ہی لرزہ طاری ہوجاتا ہے۔ چار بڑی بڑی ذاتیں تھیں۔ ۱۔ برہمن ۲۔ کھشتری ۳۔ ویش ۴۔ شودر، ان میں سے برہمن بڑی ہی مقدس اور محترم ذات تھی۔ مذہب کی تعلیم اور حکمرانی اس خاندان کا ہی حق تھا۔ شودر سب سے گھٹیا اور قابلِ نفرت طبقہ تھا۔ اتنا کہ

اسے عام آدمی کا درجہ بھی نہیں دیا جاتا تھا۔ اگر کسی شودر کے کان میں برہمن کی آواز پڑجاتی تو شودر کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا اور اگر برہمن کے کانوں میں شودر کی آواز پڑجاتی تو اس کی زبان کاٹ دی جاتی۔ یہ وہ ظالمانہ روایات تھیں جن میں ہندومت گرفتار تھا۔ لیکن اسلام کے نور کی ضوفشانی کے اثرات ایسے مرتب ہوئے کہ آج ہندو معاشرہ میں ان رسوم کو خود بُرا سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ تمیز تقریباً ختم ہوگئی ہے۔

یہ وہ فیض ہے جو اسلام نے ان لوگوں کو بخشا۔ جو اسلام نہیں لائے جب بارش برستی ہے۔ تو نشیب پر بھی برستی ہے اور فراز پر بھی۔ جنگلوں پر بھی برستی ہے۔ اور باغوں پر بھی۔ محمد عربی کے فیض کرم سے زمین سے لیکر آسمان تک کا ذرہ ذرہ مستفیض ہوا۔ کائنات کے نصیب جاگے اور جہنم کی طرح بھڑکتی دنیا جنت کا نمونہ بن گئی۔ امن و سکون اور محبت و رحمت کا گہوارہ بن گئی۔

تو میں بیان کر رہا تھا۔ کہ ہم نے دنیا میں خیر الامم ہونے کا تاج یوں ہی نہیں سجایا۔ یہ اعزاز ہمیں یوں ہی نہیں بخش دیا گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ آج ہم اپنے آپ پر بوجھ ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے باعث ننگ و عار ہیں لیکن ہم یہ نہ تھے جو آج ہیں۔ بلکہ خدا نے اس لیے خیر الامم کا تاج کرامت ہمارے سر کی زینت بنایا کہ ہماری وجہ سے سارے لوگ اس چشمۂ فیض سے فیضیاب ہوں گے۔ اس نور سے اپنے دلوں کو منور کریں گے۔ اس پیغام سے اپنے دلوں کی اجڑی ہوئی بستی کو آباد کریں گے۔

فرمایا "اخرجت للناس تامرون با لمعروف وتنهون عن المنکر"
تم ایسی قوم ہو کہ باطل کے ساتھ مصالحت نہیں کر سکتی۔ فسق و فجور اور برائی کو تم برداشت نہیں کر سکتے۔ نیکیوں کا حکم دیتے ہو۔ اور منکر سے منع کرتے ہو۔ یہاں منکر کا لفظ استعمال کیا۔ یہ نہیں کہا کہ برائی سے منع کرتے ہو۔ اگر برائی کا لفظ استعمال ہوتا تو سیئات یا معاصی کا لفظ استعمال کیا جاتا لیکن فرمایا، منکر اس کا مطلب ہے۔ ہر وہ چیز جو آپ کی روحانی، معاشی عمرانی اور سیاسی ترقی میں رکاوٹ ہو جو کاروانِ انسانیت کی ترقی میں رکاوٹ ہو۔ ایسے ہی معروف کا مطلب محض یا مطلق نیکی نہیں بلکہ ہر وہ چیز جو انسانیت کی روحانی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی ترقی کا باعث ہو۔ اور اس سے شرفِ انسانی کو چار چاند لگ سکیں۔ انسانیت کے مقدر کا ستارہ جگمگا اٹھے۔ اُسے معروف کہتے ہیں۔

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے محبوب کی امت کا وہ فریضہ بیان کیا جسے وہ کبھی چھوڑ نہیں سکتی۔ اگر وہ چھوڑتی ہے تو اسے وہ منصب، وہ شرف اور وہ سعادت چھوڑنا پڑے گی۔ ورنہ یہ فریضہ ادا کرنا ہو گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" کہ جو کام نیکی اور پرہیزگاری کے ہوں۔ ان میں تعاون کرے لیکن گناہ اور سرکشی کے کاموں میں کسی سے تعاون نہ کرے۔ اسی بات کو سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا۔

"لوگو! میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ جب لوگوں کا یہ حال ہو جائے کہ وہ برائی کو دیکھیں اور اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں۔ ظالم کو ظلم

کرتے ہوئے پائیں اور اس کا ہاتھ نہ روکیں تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب میں سب کو جکڑلے۔ خدا کی قسم تم کو لازم ہے کہ بھلائی کا حکم دو اور بُرائی سے روکو۔ ورنہ تم پر ایسے لوگ مسلط ہوں گے۔ جو تم سب سے بدتر ہوں اور تم کو مختلف تکلیفیں پہنچائیں گے، پھر تمہارے نیک لوگ خدا سے دعائیں مانگیں گے۔ مگر وہ قبول نہ ہوں گی:

سیدنا حضرتِ صدیق اکبر رض نے کتنی حکمت کے ساتھ امتِ محمدیہ کے فریضہ اور اس سے کوتاہی برتنے سے جو نتائج مرتب ہوتے ہیں، سے آگاہ فرمادیا۔ خود ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو اچھی باتوں کا حکم نہ دے اور بُرے (منکر) کاموں سے نہ روکے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[1]

حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں شہر کو جاکر غرق کردو۔ تباہ و برباد کردو اور اس کا نام و نشان مٹا دو۔ حضرتِ جبرئیل علیہ السلام آئے۔ شہر کا جائزہ لیا تو اس میں ایک بڑا ہی نیک اور پارسا شخص رہتا تھا۔ حضرتِ جبرئیل ؑ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا مولائے کریم اس شہر میں تو فلاں شخص اتنا نیک اور پارسا ہے کہ اس کے دن روزہ کی حالت میں اور راتیں تیرے حضور سجدے کرتے گزرتی ہیں۔ کیا اس کے ہوتے ہوئے یہ لوگ عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا۔ تباہی کی ابتدا اُسی

---

[1] عن ابنِ عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یُوقّر کبیرنا ولم یامر بالمعروف ولم ینہ عن المنکر (مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الآداب) مرتب

کے گھر سے کرو، کیونکہ اس کے سامنے میری شریعت کے احکامات کی توہین کیجاتی تھی، انہیں توڑا جاتا تھا اور کھلم کھلا برائی کا ارتکاب کیا جاتا تھا۔ مگر اس کے چہرے کا رنگ تک غیرتِ ایمانی سے کبھی نہیں بدلا تھا۔ مجھے ایسے بے غیرت نمازیوں اور روزہ داروں کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس شہر کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اور سب سے پہلے اسی گھر کو۔

ان حقائق سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دین کی تبلیغ کرنا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا ایک ایسا فریضہ ہے۔ جس سے کوتاہی اور چشم پوشی کبھی نہیں ہو سکتی۔ ہر مسلمان دینِ اسلام کا مبلّغ ہے۔ اور اپنا یہ فرض جو مسلمان پورا نہیں کرتا وہ خدائے کائنات کے حضور اپنا جواب سوچ لے۔ مسلمان کا کام ظلم اور برائی پر خاموش رہنا نہیں بلکہ حق کے نفاذ کے لیے مقدور بھر کوشش کرنا اس کا فرض ہے۔ تو آؤ حق کے غلبہ کے لیے ہم اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں جب تک نظامِ مصطفیٰ کا نفاذ نہیں ہو جاتا۔

اے غلامانِ مصطفیٰ تم جہاں بھی جاؤ گے۔ وہاں نیکی ہی نیکی اور فرمانبرداری ہی فرمانبرداری ہو گی۔ وہاں ایسی چیز کو روا نہیں رکھا جائے گا۔ جو منکر ہو، اور شرفِ انسانی کی تذلیل کا باعث ہو۔

حضرتِ فاروقِ اعظم رضؓ کے زمانہ میں ایک آدمی سے کوئی ناشائستہ حرکت سرزد ہوئی۔ وہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اس کا نام محمدؐ تھا۔ حضرتِ فاروقؓ نے اس کو خطاب کر کے فرمایا۔ اے فلاں شخص یا تو آج سے تم اپنا نام بدل لو یا اپنے

افعال، کیونکہ میری غیرت یہ گوارہ نہیں کرتی کہ تم اخلاق سے گری ہوئی حرکتیں کرو اور کوئی یہ کہے کہ محمدؐ نے یہ جرم کیا ہے۔"

گر نہ داری از محمدؐ رنگ و بو
از زباں خود نمی آلا نامِ او

اگر تم میں یہ بالیدگیاں نہیں ہیں تو تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ تم محمدؐ کا نام اپنی گندی زبان پہ لاؤ، نام تو تمہارا محمدؐ ہو اور کام بُرے کرو، اور لوگ کہتے رہیں کہ محمدؐ نے یہ کیا ہے۔

آئیے غور کریں کہ ہم کہلواتے کیا ہیں اور کرتے کیا ہیں۔

تم اس خزاں زدہ گلشن میں بہار بن کر آئے ہو تو تمہاری آمد سے یہ ایسی کائنات بن جائے کہ یہاں غنچے چٹک رہے ہوں عندلیبیں نغمے بکھیر رہی ہوں۔

خوشیاں ہی خوشیاں چاندنی ہی چاندنی اور ہر سو مسرتوں کا گلشن کھِلا ہو۔ یہ کام کوئی آسان نہیں جو نُور اور روشنی کا چراغ لے کر ظلمتوں سے نبرد آزما ہوا کرتے ہیں۔ انہیں بڑی مشکلات آتی ہیں لیکن ان طوفانوں سے اور شرارِ بولہبی سے مقابلہ تو بہر طور کرنا ہوگا۔ انسان میں اتنی قوت نہیں، صرف ایک ہی قوت ہے کہ جس سے وہ مقابلہ کر سکتا ہے اور وہ ہے، ایمان کی قوت، اس لیئے فرمایا:-

کہ ایمان کی قوت کا چراغ روشن کرو، جب یہ آجائے گی تو پھر کوئی مشکل، مشکل نہیں رہے گی۔ اُٹھو اور دُنیا کو بتا دو کہ ہم مشکلات کے اس

ہمالہ کو ریزہ ریزہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ہم حق کے غلبہ کے لیے بڑے سے بڑے طوفان سے ٹکرانا جانتے ہیں۔
ہمیں شدادوں اور فرعونوں کا مُنہ توڑنا آتا ہے اور ہم نارِ نمرود میں کود کر اُسے گلزارِ خلیل بنا دیا کرتے ہیں۔

خُدا ہمیں اپنا مقام پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق بھی بخشے۔ آمین!

مورخہ ۶ مئی ۱۹۷۷ء

قبل از نمازِ جمعہ

ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

(۸) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ .... الخ

میں نے جو سورۂ مبارکہ آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ اس میں ایک مشہور واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ حبشہ ایک ملک ہے۔ اس کا صوبہ یمن تھا جس کے گورنر کا نام ابرھہ تھا۔ وہ بڑے رعب اور دبدبہ والا گورنر تھا۔ اس نے یہ خیال کیا کہ یہ ساری دنیا جو خانہ کعبہ کی زیارت اور حج کے لیئے جاتی ہے۔ کیوں نہ میں ایسا انتظام کردوں کہ یہ بھی میرے پاس ہی آئیں جس طرح میں ملک کا سیاسی حاکم ہوں، اسی طرح لوگ مذہبی طور پر بھی مجھے عقیدت و احترام کی نگاہ سے دیکھیں اور جس طرح مکہ مکرمہ دنیا کی نگاہوں کا مرکز ہے ایسے ہی ہمارا شہر لوگوں کی عقیدتوں کا مرکز و محور بن جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے اُس نے خانہ کعبہ کی طرز پر ایک خوبصورت مکان بنوایا۔ ایک گھر بنایا اور لوگوں کو دعوت دی کہ وہ ان گھڑی اینٹوں، اور پتھروں کے بنے ہوئے گھر کو چھوڑ کر اس سنگ مرمر کے بنے ہوئے خوبصورت ترین مکان کے طواف کے لیئے آئیں۔ لیکن اس کی ساری کوششوں کے باوجود کوئی ایک فرد بھی اس مکان کی زیارت کے لیئے نہ گیا۔ اس کی ساری کاوشیں ناکام ہوگئیں۔ اُس کے سارے منصوبے پیوند خاک ہوگئے۔ اس نے سرداری کا جو خواب دیکھا تھا وہ فضاء میں تحلیل ہوگیا۔ ابرھہ کے غصہ کی انتہا ہوگئی۔ وہ طاقت اور اقتدار کے نشہ میں بدمست ہوگیا۔ اور اس نے خانہ کعبہ کو گرانے کا ناکام منصوبہ بنایا۔ تاکہ یہ قصہ ہی پاک ہو جائے۔ چنانچہ مست ہاتھیوں کے ایک

لشکرِ جرار کے ہمراہ وہ اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہنانے کیلئے چڑھ دوڑا خانہ کعبہ کے قریب پہنچ کر وہ رُک گیا اور اُس نے حضرت عبدالمطلب کے اُونٹ پکڑ لئے۔ آپ کو پتہ چلا تو آپ تشریف لائے۔ نورِ محمدی کا جلال و جمال چہرے سے مترشح تھا۔ ابرہہ احترام کے لئے کھڑا ہوگیا۔ اُس پر ایسا رُعب اور دبدبہ چھایا اُس نے دل میں سوچا کہ یہ جو بات بھی کہیں گے۔ مَیں مان جاؤں گا۔ اُس نے پُوچھا کیسے تشریف لائے؟ آپ نے فرمایا" آپ نے میرے اُونٹ پکڑتے ہیں وہ لینے کے لئے آیا ہوں"۔ ابرہہ نے کہا" مَیں نے تو خیال کیا تھا کہ آپ مجھ سے خانہ کعبہ پر حملہ نہ کرنے کی درخواست کریں گے اور اپنے اُونٹ نہیں مانگیں گے"۔ آپ نے فرمایا" خانہ کعبہ کا مالک خدا ہے۔ اُس کی حفاظت اُس کا اپنا مالک کرے گا۔ اُونٹوں کا مالک مَیں ہوں مجھے اپنے اُونٹ چاہئیں" ابرہہ خُوش ہوگیا کہ اَب میرے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی۔ لیکن جب اُس نے مَست ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کیا تو خُداوند تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے پرندے ابابیل بھیج کر انہیں تہس نہس کر دیا۔ اس لشکر کا نام و نشان تک مِٹ گیا اور سارا لشکر میدانِ جنگ میں کھائے ہوئے بھُوسہ کی طرح بکھر گیا۔

آپ نے دیکھا کہ جب ابرہہ نے طاقت کے نشہ میں مست ہو کر خانۂ خُدا کو تباہ کرنے کی کوشش کی تو خدا نے اپنی قدرت سے باطل کا سرِ غرور خاک میں ملا دیا۔ لیکن کیا ہمیشہ ایسا ہوتا آیا ہے؟ جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ اُسی بار نہیں بلکہ کئی بار خانۂ خُدا پر دُشمنانِ خُدا نے حملہ کا ناپاک منصوبہ بنایا۔ منجنیقوں سے گولہ باری کی گئی۔ اس کا غلاف جل گیا۔ ایک دیوار منہدم ہو گئی۔ قرامطہ نے صحنِ حرم میں عین حالتِ احرام اور نماز میں ہزار ہا

...... حاجیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کردیا۔ صحن حرم حاجیوں کے خون سے رنگین ہوگیا۔ وہ نیم جان تڑپتے رہے اور ظالم رقصِ بسمل کا تماشا دیکھتے رہے۔ لیکن کوئی آندھی نہ آئی۔ کوئی طوفان نہ اٹھا۔ کوئی ژالہ باری نہ ہوئی اور ظاہری طور پر کوئی ایسے آثار نمودار نہ ہوئے کہ دشمن نیست و نابود اور تہس نہس ہو جاتا۔ جبینِ فطرت پر کوئی شکن تک بھی نہ آئی اس کا کیا مطلب ہے، کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ خانہ کعبہ اس وقت (ابرہہ کے زمانہ میں) خدا کا گھر تھا۔ اور اب نہ تھا۔ یا اس وقت خدا میں دفاع کی قوت تھی اور اب نہ تھی؟ - نہیں - اس کا مطلب ہرگز یہ نہ تھا بلکہ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں اس کی وجہ ایک ہی ہے کہ محمد عربی کی تشریف آوری اور آپ کی امت کے معرض وجود میں آنے سے قبل یہ بے شک خدا کا کام تھا۔ کہ وہ ابابیلوں سے اپنے گھر کی حفاظت کرائے۔ مچھر جیسی کمزور ترین مخلوق سے نمرود جیسے جابر و ظالم کو نیست و نابود کرا دے۔ مگر آپ کی تشریف آوری کے بعد آپ کے غلاموں کے ہوتے ہوئے خدا کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ زمین پر محمد عربی کے غلام بھی موجود ہوں اور پھر حق کی حفاظت کے لیے آسمان سے ابابیل یا کوئی اور مخلوق بھی نازل ہو۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا اب اپنے بندوں کی مدد نہیں فرمائے گا۔ نصرتِ الٰہی اب مجاہدین کا استقبال نہیں کرے گی۔ "ایسا ہرگز نہیں" بلکہ باطل کو ختم کرنے کے لیئے اور خدا کے دین کی حفاظت کے لیئے فرشتے اب بھی نازل تو

ہوں گے۔ لیکن آگے آگے آپ ہوں گے۔ اور آپ کے پیچھے پیچھے فرشتے ہوں گے۔ میدانِ جہاد میں آپ ہوں گے اور نصرتِ الٰہی آپ پر سایہ فگن ہو گی۔ بدر کے میدانوں میں دشمن سے پنجہ آزما ہونا تیرا کام ہے اور تیری نصرت کے لیئے فرشتوں کو آسمان سے قطار اندر قطار بھیجنا خداوند کریم کا کام ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اس لیئے آپ سب دینِ حق کی حفاظت کے لیئے کمربستہ رہیں کیونکہ یہ فرض آپ ہی کو نبھانا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی و کامرانی آپ کے قدم چومے گی۔ کیونکہ حق کو دنیا کے سامنے اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ پیش کرنا اور اسے ثابت کرنا کہ اب امتِ محمدیہ کا ہی کام ہے۔ خواہ اسے ثابت کرنے کے لیئے سَر کی قربانی بھی کیوں نہ دینا پڑے۔ کیونکہ سر دے کر حق کا بول بالا کرنے سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ میرا نظریہ اتنا اٹل ہے اور اس پر میرا ایمان اتنا واضح اور ٹھوس ہے کہ اگر سر ایک بار نہیں لاکھ بار بھی دینا پڑے تو یہ سعادت ہے۔ ایسی ہی اٹل گواہی حضرت امام حسینؓ نے پیش کی اور ہمیں بھی ضرورت کے وقت ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہمیں اپنی منزل تک پہنچنے کے لیئے جتنی بھی مصائب و مشکلات پیش آئیں گی ہمیں اُن پر قطعاً افسوس نہیں ہوگا۔ حضرت طارق رضؓ نے فرمایا ہے:- ولسنا نبالی کیف سالت نفوسنا
اذا نحن ادرکنا الذی کان اجدرا

یعنی، جب ہم اُس مقصد کو حاصل کرلیں جو بلند تر ہے۔ تو ہم اس چیز کی پرواہ نہیں کیا کرتے کہ کتنا خون بہہ گیا۔ کتنے لاشے تڑپ گئے۔ اور کتنی گردنیں کٹیں۔ کیونکہ ہمیں جان نہیں اپنا مقصدِ حیات عزیز ہے۔ اور جب مقصد حاصل ہو جائے تو ان قربانیوں کی ہمیں قطعاً پرواہ نہیں ہوتی۔

آج بھی ہم جو تکالیف، جو مصائب برداشت کر رہے ہیں۔ اس کے بعد اگر ہمارا مقصد و مدّعا حاصل ہو جائے۔ ملک میں نظامِ مصطفٰے قائم ہو جائے۔ ناموسِ اسلام کا تحفظ ہو جائے۔ ابرہہ اور اس کا لشکر نیست و نابود ہو جائے تو ہمیں اس بات کی پرواہ نہیں ہوگی۔ کہ ہمارا کتنا خون بہہ گیا، کیسے بہہ گیا، کتنی جوانیاں خاک اور خون میں مل گئیں، کیونکہ

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مورخہ ۱۹؍ اپریل ۷۷ء
بعد نمازِ فجر
ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۹ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا، وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۰ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۰ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۰

یہ آیت جو میں نے تلاوت کی ہے بڑی پُر جلال ہے۔ اگر دل بینا ہو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور اس کی یاد سے غفلت ناممکنات سے ہے۔
فرمایا:۔ من اعرض عن ذکری فان لہ معشیۃ ضنکا ولحشرہ یوم القیمۃ اعمٰی ۰

ہوتی اس کے پاس ہر چیز ہے، مکانات، باغات، مال و دولت کے ڈھیر، جاہ و حشمت جوڑے اور گھوڑے لیکن اُسے خوشی حاصل نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ خوشی و مسرت کا چراغ اس کے دِل سے بجھا دیتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کے عذاب کئی طرح کے ہوتے ہیں لیکن یہ عذاب بہت بڑا ہے۔ کہ وہ کوئی شے عنایت فرما دے، عطا کر دے لیکن اس کے استعمال سے محروم کر دے۔ آپ نے شاید سنا ہو گا کہ فورڈ امریکہ کا امیر ترین آدمی تھا۔ فورڈ بسوں، ٹرکوں، ٹریکٹروں وغیرہ کی کمپنی اسی کی ملکیت تھی۔ اس کے ٹرک اور بسیں وغیرہ کیڑوں کی طرح دنیا کی سڑکوں پر رینگ رہے ہیں اس کی دولت کا اندازہ لگایا ہی نہیں جا سکتا۔ اس کے روپے پیسے، سونے

چاندی کے ڈھیر اور محلات بے حد و شمار ہیں۔ لیکن اس کے معدے میں ایک ایسی بیماری تھی کہ نہ وہ روٹی کھا سکتا تھا اور نہ ہی طرح طرح کے پھلوں سے لطف اندوز ہو سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی وہ ہزار نعمتیں جن سے ہماری زندگی میں فرحت اور تازگی ہے۔ اُن سے وہ محروم کر دیا گیا۔ وہ گندم کے چھان میں نمک ڈال کر کھاتا لیکن نعمت کے یہ دستر خوان جو خدا نے بچھا رکھے ہیں۔ سب کچھ بھی دیکر محروم کر دے تو وہ قادر ہے اور اس نے اُسے محروم کر دیا تو فرمایا۔ جو میری یاد سے غافل ہوں جن کی زندگی نافرمانی میں گزر رہی ہو۔ اُن کو ہم دو سزائیں دیتے ہیں را ہم زندگی کا لباس ان پر تنگ کر دیتے ہیں۔ وہ ایسی گھٹن اور تنگی محسوس کرتا ہے کہ راحت و خوشی کا وہاں گذر بھی نہیں ہوتا۔ یہ کاروں اور کوٹھیوں والے اور ان کی سج دھج کو دیکھ کر آپ منہ میں پانی نہ بھر لایا کریں بلکہ معلوم نہیں ان کے دل میں کیسی قیامت برپا ہوتی ہے۔ کیسی ذہنی کشمکش کا وہ ہر وقت شکار رہتے ہیں۔ اور انہیں کس محشر سے واسطہ پڑا رہتا ہے۔ اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ آمین!

ذرا غور کریں ہمیں کوئی تکلیف نہیں معمولی سی پابندی ہے پھر بھی ہم اُسے ایک بڑی سزا محسوس کرتے ہیں۔ تو اگر خدا انسان کو ہمت و قوت دے کر اس سے فائدہ اٹھانے کی قدرت سے محروم کر دے تو اس سے بڑی سزا کیا ہو سکتی ہے۔ یہ سزا اس دنیا میں مختلف طرح سے ہو سکتی ہے۔ اولاد تو عطا فرما دی لیکن نافرمان۔ ہر جگہ بدنام کبھی کہیں جوتے کھا رہے ہیں کبھی کسی جرم میں پکڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح دولت ہے لیکن طرح طرح کی

کا سبب بنتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے کہ وہ ایسی آزمائشوں سے محفوظ رکھے۔

لہ مال و دولت کی بے ثباتی کے بارے میں حضور اکرم کا ارشاد گرامی ہے۔ الا ان الدنیا ملعونۃ و ملعون ما فیھا الا ذکر اللّٰہ وما والاہ و عالم او متعلم آگاہ رہو کہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب ملعون ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی پسندیدہ چیزوں اور عالم یا علم سیکھنے والے کے (مشکوٰۃ شریف)
ایک اور حدیث پاک میں آپ فرماتے ہیں: "اِنَّما یکفیکَ من جمع المال خادمٌ و مرکبٌ فِی سبیل اللّٰہ" تجھے مال جمع کرنے کی قطعی ضرورت نہیں، تیری ضرورت کے لیئے دو چیزیں کافی ہیں۔ ایک خادم اور ایک گھوڑا جس سے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کام کرے (مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الرقاق)۔ ان احادیث سے مال و دولت اور دنیا کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ آج کل بعض لوگوں کے ہاں روپے پیسے کی ریل پیل دیکھ کر لوگ خدا سے شکوہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حکمت بیان فرمائی (ترجمہ)
"جب تو دیکھے کہ اللہ تعالیٰ بلند و برتر کسی آدمی کو باوجود اس کے کھلم کھلا گناہوں کے دنیا کی نعمتیں اور مال و جاہ دے رہا ہے اور جو وہ چاہتا ہے اسے مل جاتا ہے تو یہ سمجھ لے کہ اس کو رفتہ رفتہ گناہوں میں بڑھایا جا رہا ہے تاکہ آخر میں اسے سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی "پس وہ جو ان باتوں کو بھول گئے۔ جو انہیں یاد

رہا جب وہ قبر سے اُٹھے گا، جو میرے حضور سر نہیں جھکاتا تھا۔ اس کی آنکھوں پر غفلت کی پٹی بندھی تھی۔ وہ اپنے فارغ اوقات کو لہو و لعب میں بسر کردیا کرتا تھا۔ لیکن اسے کبھی میرے حضور حاضری دینے کی توفیق نہ ہوئی۔ تو جب قبر سے اُٹھے گا۔ اندھا ہوکر اُٹھے گا۔ اسے کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ اس کی آنکھوں کی روشنی اور بینائی سلب ہوجائے گی۔ وہ کہے گا۔ یا اللہ تونے مجھے اندھا کرکے کیوں اٹھایا میری آنکھیں تو بینا تھیں۔ بالکل ٹھیک اور درست تھیں۔ میں نے تو چاند کی روشنی میں بڑی باریک تحریریں پڑھی ہیں۔ میری آنکھیں تو بڑی خوبصورت تھیں۔ مجھے ان سے کیوں محروم کردیا گیا۔

جواب ملے گا "قال کذالک اتتک آیتنا فنسیتہا ہ وکذلک الیوم تنسیٰ" جب تو دنیا میں تھا ہمارا وعظ تمہیں سنایا گیا۔ ہمارا پیغام حق تمہیں

دلائی گئی تھیں۔ تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنے مال وجاہ پر اترا گئے۔ تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ بے بس ہوکر رہ گئے (مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الرقاق)

مال و دولت کی اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پر اترائیں نہیں بلکہ اسے خدا کے راستے میں خرچ کریں۔ اللہ کے دین کے لیئے دولت خرچ کرنے والے ہی خوش قسمت اور کامیاب ہیں اور فرعون و نمرود کی طرح دولت پر سانپ بن کر بیٹھنے والے ہی خائب و خاسر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (مرتب)

پہنچایا گیا سیدھے راستے کی طرف تیری راہنمائی کی گئی۔ تمہیں خبردار کیا گیا کہ تم نے جو یہ زندگی اپنا رکھی ہے۔ اس کا انجام خطرناک ہے۔ اسے ترک کر دے میری آیتیں تیرے پاس آئیں لیکن تم نے اُن پر غور نہ کیا۔ عمل نہ کیا۔ وکذلک الیوم تنسٰی، اس تھوڑی سی فانی زندگی میں تو نے مجھے فراموش کر دیا۔ اب اس باقی زندگی میں میری رحمت تیری دستگیری نہیں کرے گی۔

آپ غور کریں کتنی پُر جلال ہیں یہ آیتیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

لو انزلنا هٰذا القراٰن علٰى جبلٍ لرأيته خاشعاً متصدعاً من خشية الله ط اگر

ہم ان پر جلال اور پر رعب آیتوں کو پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ ہیبت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔

کیا ان آیتوں پر غور کرنے سے یہ بات پتہ نہیں چلتی ؟ کیا ہم نہیں سوچتے ؟ کیا ہم نے جو روش اپنا رکھی ہے جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے اس پر جو نتائج نکلیں گے، جو نتائج مرتب ہوں گے ان کے برداشت کی ہم میں ہمت ہے ؟ ہرگز نہیں — !

تو جس چیز کے برداشت کی ہمت ہی نہ ہو اس کے قریب بھی نہیں جانا چاہیئے۔ تو آیئے خدا تعالیٰ کے حضور توبہ کریں۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ کیونکہ جو بندہ خدا کی یاد کو دل سے بھلا دیتا ہے۔ خُدا اس کے دل کو ویران کر دیتا ہے۔ خوشی و مسرت کی بہاریں وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتیں۔ اور بلبل کے روح پرور نغمات وہاں سنائی نہیں دیتے۔

آج ہم یہ بہانہ کر دیتے ہیں کہ ہمیں فرصت نہیں ملتی۔ کیا کریں وقت نہیں ملتا۔ کہ خدا تعالیٰ کے حضور سر نیاز جھکا سکیں۔ افسوس ہے کہ دنیا کے ہر کام کے لیئے تیرے پاس وقت ہے۔ لیکن اپنے خالق کے سامنے جھکنے کے لیئے تیرے پاس وقت نہیں۔ خدا کی نافرمانی کے لیئے تیرے وقت کی ساری گھڑیاں فارغ ہیں۔ اگر وقت نہیں تو صرف اس کی تابعداری کے لیئے نہیں۔ حیرت ہے!

حضرت عمر فاروق اعظم رضؓ سے بڑھکر کوئی مصروف ہو سکتا ہے۔ مملکتِ اسلامیہ کا خلیفہ اور سربراہ راتوں کو مدینہ کی گلیوں میں پہرہ دیتا۔ پچھلی رات اپنے خالق کے حضور رو رو کر اس کی ابدی رحمتوں کے خزانے لوٹتا۔ دن کو مملکت کا کاروبار، جھگڑوں اور مقدمات کے فیصلے، فوج اور عدلیہ کی نگرانی، وسیع و عریض مملکت کا بوجھ، رعایا کی خبر گیری، لڑائیوں، مہمات اور جنگی اسکیموں کی تیاری وغیرہ کتنے امور تھے جن سے مردِ واحد کو واسطہ تھا۔ لیکن کیا دنیا کا کوئی انسان یہ بتا سکتا ہے کہ عمر فاروق رضؓ کی نماز پنجگانہ تو ایک طرف رہی ان کی نمازِ تہجد بھی قضا ہوئی ہو۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہم خدا کی تابعداری کو ثانوی حیثیت بھی نہیں دیتے۔ اولیت ان امور کو دیتے ہیں جو ہماری دنیا اور ذاتی مفاد سے متعلق ہوں۔ لیکن دوستو دنیا کی ہر چیز مل سکتی ہے۔ مگر گیا ہوا سانس واپس نہیں آسکتا۔ یہ کوہِ نور ہیرے سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ بزرگوں کے نزدیک "جو دم غافل سو دم کافر" والا معاملہ ہے۔ کاش ہمارے دل میں یہ تصور پختہ ہو جائے کہ ہم نے ایک روز اپنے اعمال کا

جواب دینا ہے۔ اور پھر ان اعمال کے مطابق نہ ختم ہونیوالی زندگی گزارنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان میں سے کرے۔ جن کی آنکھوں کا نور وہ سلب کر لیا کرتا ہے۔ خدا ان لوگوں میں سے کرے جو چٹائی پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ روکھی سوکھی کھاتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے آپ کو "سلطانِ زمان" سے کم نہیں سمجھتے۔ جن کے لیئے جنّت کی حوریں ہاتھوں میں پھولوں کے ہار لیئے چشم براہ ہوں گی اور جنّت کی بہاریں اِن کی راہ تک رہی ہوں گی۔ خدا تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے کرے۔ آمین!

مورخہ ۴ مئی ۱۹۷۷ء
بعد نمازِ فجر
ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

(۱۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

عن عمرو بن میمون الاودی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لرجل وھو یعظہ اغتنم خمسا قبل خمس شبابک قبل ھرمک وصحتک قبل سقمک وغناک قبل فقرک وفراغک قبل شغلک وحیاتک قبل موتک ۰

برادران گرامی مرتبت! آج میں نے آپ کے سامنے ایک حدیث پاک پڑھی ہے یہ ایک وعظ ہے جو سیدالواعظین نے اپنے صحابہ کرام کو فرمایا اس سے زیادہ مؤثر اس سے زیادہ دلنشیں اور اس سے زیادہ انسان کی قسمت کو بدلنے والا اور کون سا وعظ ہو سکتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں: اغتنم ... شبابک قبل ھرمک (جوانی کو بڑھاپے سے زیادہ غنیمت جانو) جب قوت ہو، جوانی ہو، طاقت ہو، یہ خیال نہ کرو کہ یہ ہمیشہ رہیں گی۔ یہ جوانی ڈھل جانیوالی چیز ہے۔ آج ہے کل نہیں، پھر بڑھاپا آجائے گا۔ جب جوانی ہو اس وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرلو۔ جبکہ تم کھڑے ہو کر لمبی لمبی رکعتیں پڑھ سکتے ہو جب تم طویل سجدے کر سکتے ہو۔ جب تمہارے کان اور آنکھیں عبادت میں مصروف ہو سکتی ہیں اور اس بڑھاپے کو پیش نظر رکھو جب تمہارے ہاتھوں میں رعشہ پڑجائے گا۔ جب تمہاری ٹانگیں کانپنے لگیں۔ جب تمہارے کان سننے کی قوت سے عاری ہو جائیں اور جب تمہاری آنکھیں دیکھ نہ سکیں۔ آپ اس وقت کہیں گے کاش میرے حواس خمسہ میرا ساتھ دیتے تو میں رات دن مصروف عبادت رہتا۔

اس لیئے آج اپنے خداوند کریم کے حضور اپنی جبین نیاز جھکالو لیکن جب

ذوقِ فراواں کی یہ قوت جواب دے جائے گی. تو پھر کفِ افسوس ملنے کا کوئی فائدہ نہ ہو گا.

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ جوانی کے دن اپنے نفس کو خوش کرنے کے دن ہیں. عیش وعشرت اور دیوانگی کے دن ہیں. اور جب بڑھاپا آئے گا تو خدا کو راضی کر لیں گے. اس کے سامنے جھک جائیں گے. اور اپنے خدا کو منا لیں گے. یہ درست ہے کہ خدا تعالیٰ غفور، رحیم ہے. وہ بخش سکتا ہے. وہ معاف کر سکتا ہے. وہ توبہ قبول کرنے والا ہے لیکن یاد رکھو کہ رمضان کا سارا مہینہ برکت والا ہے. اس کی ایک ایک رات برکتوں والی ہے. لیکن اس میں ایک ایسی رات بھی ہے. جسے لیلۃ القدر کہتے ہیں، جس کے بارے میں خداوند کریم فرماتے ہیں. کہ اس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے. کتنی افضل ہے اس حقیقت تک ہماری رسائی نہیں ہو سکتی وہ ایک ہی رات گرمیوں میں دس گھنٹے کی اور اگر سردیاں ہوں تو چودہ گھنٹے کی ہوتی ہے. لیکن ہزار ماہ سے افضل بہتر اور کئی گنا بہتر.

اگرچہ رمضان کا مہینہ اور اس کی ساری راتیں اور ساری گھڑیاں افضل ہیں مگر لیلۃ القدر کی رات سب سے افضل، مومن کی زندگی بھی ایسی ہی ہے، جیسے رمضان کا مہینہ اس کا اوّل بھی خیر اور آخر بھی خیر لیکن جس طرح رمضان کے مہینہ میں لیلۃ القدر کا مقابلہ نہیں. اسی طرح انسان کی زندگی میں جوانی کی گھڑیوں کا بھی کوئی مقابلہ نہیں.

قیامت کے روز جن پانچ سوالوں کے جواب دیئے بغیر آدم کے بیٹے کے قدم اپنی جگہ سے ہٹنے نہ پائیں گے. ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خداوند کریم

پوچھیں گے بتا - ! میں نے تجھے جوانی دی تھی تو نے اسے کن باتوں میں گنوایا ؟[1]
تو کیا اس سوال کا جواب دینے کی ہم میں ہمت ہے . جب سورج سر پہ چمک
رہا ہوگا. انسان پسینے میں غرق ہوں گے .اس وقت ہمارا کیا حال ہوگا ؟

جس نے یہاں نبی کریم ؐ کی زندگی کو خضرِ راہ بنایا. سحر خیزی میں جوانی کے دن
گزارے تو اس کا مقابلہ زندگی کی کوئی اور گھڑی نہیں کر سکتی. تو نبی کریم ؐ نے
فرمایا "خذ من شبابک لھرمک" جب کان سن سکتے ہیں. آنکھیں دیکھ سکتی
ہیں. پاؤں چل سکتے ہیں . اللہ تعالیٰ کو راضی کر لو. اور ایک وقت وہ بھی آئے گا.
جب بڑھاپا تمہیں اپنے جنگل میں جکڑے گا. اس لیئے جوانی کے دنوں کو غنیمت
جانو اور خدا کی یاد میں گزار لو.

دوسرا ارشاد فرمایا:- وَصِحَّتَكَ قَبلَ سَقمِكَ (اور صحت کو بیماری
سے قبل غنیمت جانو) یہ صحت یہ قوتیں اور توانائیاں جو تمہارے انگ انگ
سے ٹپک رہی ہیں . یہ بھی جواب دے سکتی ہیں. جوانی میں ٹی بی اور دیگر
بیماریاں تمہیں بستر پر ڈال دیتی ہیں. اس لیئے نصیحت فرمائی کہ "خذ من
صحتک" جب صحت درست ہو. جب تو اپنی مرضی کے مطابق جاگ سکتا ہو.
کام کر سکتا ہو تو اس غرور میں نہ رہے کہ یہ صحت سدا اسی طرح رہے گی بلکہ
ایک وقت ایسا آئے گا. کہ بستر سے اٹھ کر مسجد جانے کی بھی تم میں ہمت ہوگی.

---

[1] عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تزول قدما ابن آدم
یوم القیامۃ حتی یسئال عن خمس عن عمرہ فیما افناہ وعن شبابہ
فیما ابلاہ .... الخ (مشکوٰۃ شریف. کتاب. کتاب الرقاق. الفصل الثانی) مرتب

اس لیئے جب ہاتھ اور پاؤں ساتھ دے رہے ہوں تو اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو کر ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ بلکہ ایسا دن بھی آسکتا ہے کہ تو درد سے تڑپ رہا ہو۔ بلبلا رہا ہو اور چیخیں مار رہا ہو۔ اس لیئے صحت میں ہنڈ کی عبادت کی عادت ڈال لو۔ تاکہ بیماری میں بھی یہ عبادت کر سکو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے کہ میرا یہ بندہ جب صحت مند ہوتا تھا تو فلاں فلاں عبادات کیا کرتا تھا۔ آج یہ بیمار ہے اور تہجد نہیں پڑھ سکا۔ نوافل ادا نہیں کر سکا۔ تو آج اس کے نامۂ اعمال میں تہجد اور نوافل لکھ دو تاکہ اس کے نامۂ اعمال میں کسی قسم کی کمی نہ آئے۔

ایک اور ارشاد ہے کہ اس کی نیند بھوک اور پیاس واپس لے لو اور اس کے گناہوں کی گٹھڑی بھی اس کے سر سے واپس لے لو۔ پھر جب بیماری کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کی نیند، بھوک اور پیاس، واپس کر دو۔ فرشتہ عرض کرتا ہے۔ اے رب کریم! نیند، بھوک اور پیاس تو واپس کر دی گیا گناہوں کی گٹھڑی بھی واپس کر دوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ نیند، بھوک اور پیاس واپس کر دو لیکن وہ گناہ میں نے معاف کر دیئے ہیں۔ ان پر قلم پھیر دو اور انہیں واپس نہ کرو۔ ذرا سوچئے! کہ کونسی ایسی چیز ہے۔ جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔ ہماری خوشیاں بھی فانی، ہمارے غم بھی فانی، ہماری زندگی بھی ختم ہونیوالی۔ تو سمجھتا ہے کہ جب صحت ہو تو سینما

جانا چاہیئے۔ خوشی سے بھنگڑا ڈالنا چاہیئے۔ اور جب بیماری ہو تو خدا تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیئے۔ یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت عبادت پسند کرتا ہے۔ لیکن لطف تو تب ہے کہ تیری صحت ہو اور تو خداوند کریم کے حضور جھک رہا ہو۔

پھر فرمایا :- اغتنم.... وفراغک قبل شغلک (اور فرصت کو مصروفیت سے پہلے غنیمت جانو) یعنی جب تجھے فراغت ہو، پابندی نہ ہو اور تو اپنے وقت کا خود مالک ہو (جیسے ہم یہاں جیل میں ہیں) تجھے فکر اور پریشانی نہ ہو۔ جب ایسے فرصت اور فراغت کے لمحے ہوں۔ تو انہیں ضائع نہ کرو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کل ایسا وقت آجائے کہ تمہاری فکر اور پریشانی بڑھ جائے۔ تمہارے سکون کے لمحات ختم ہو جائیں تمہیں مقدمات اور لڑائی جھگڑے درپیش ہو جائیں۔ لیکن جب تجھے ایسی پریشانیاں نہ ہوں۔ جب فرصت اور فراغت کے لمحے نصیب ہوں تو انہیں ایسے خرچ کیا کرو کہ جب مصروفیت کے لمحے آجائیں تو تجھے پریشان نہ ہونا پڑے۔

زندگی کے لمحات کو صحیح اور مناسب طور پہ خرچ کرنے کا کلیہ خود نبیؐ نے ایک حدیثِ پاک میں ارشاد فرمایا۔ آپؐ فرماتے ہیں :-

کہ غیر ضروری امور کو ترک کر دینے میں اسلام کا حسن ہے۔ کتنا جامع پیارا اور ہمہ گیر کلیہ ہے۔ یعنی جن کاموں کے بغیر بھلا گزارا نہیں ہو سکتا۔

وہ چھوڑ دینے چاہئیں۔ اور جن کے بغیر ہمارا گزارہ نہیں ہو سکتا انہیں ضرور کرنا چاہیئے۔ فرائض ضرور ادا کرنے چاہئیں۔ جب ایک انسان اس کی بنیاد بنا کر اپنا وقت تقسیم کرے گا۔ تو اسے قلتِ وقت کی کبھی شکایت نہ ہو گی۔ معاشیات میں ترجیحات کا اصول اپنایا جاتا ہے۔ اکثر ممالک خصوصاً ترقی پذیر ممالک اپنے بجٹ اور ترقیاتی منصوبوں کو ترجیحات کی بنیاد پر ترتیب دیتے ہیں۔ یعنی جن کاموں اور منصوبوں کے بغیر گزارا نہیں ہو سکتا۔ جو ضروری ہیں۔ وہ ضرور پایۂ تکمیل کو پہنچائے جائیں۔ اور جن کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے انہیں ملتوی کر دیا جائے۔ محدود وسائل کے ہوتے ہوئے لامحدود خواہشات کے ساتھ اسی طریقہ سے نپٹا جا سکتا ہے۔ جو کلیہ چودہ سو سال بعد دنیا اپنا رہی ہے۔ نبی معظم ؐ نے اس کے بارے میں قبل ہی ہمیں آگاہ فرما دیا تھا۔ کاش ہم اپنے حکیم نبی ؐ کے ان ارشادات پر عمل کرتے اور دنیا میں مہر و ماہ بن کر چمکتے۔

پھر فرمایا:۔ اغتنم ... وحَیاتکَ قَبْلَ مَوْتِکَ (زندگی کو موت سے قبل غنیمت جانو) یہ زندگی کا آفتاب ہمیشہ طلوع نہیں رہے گا۔ اسے ڈھلنا اور ڈوبنا بھی ہے۔ اسے اس طرح خرچ کرو کہ جب دنیا سے جاؤ تو تمہیں افسوس نہ کرنا پڑے۔ ذکرِ الٰہی کے نور سے تیری قبر جگمگا رہی ہو۔ اور درود شریف کی برکت سے وہاں رحمتیں ہی رحمتیں ہوں۔ یہ نہ ہو کہ جوانی آئے اور تو کہے۔ اب عیش کر لیں۔ بڑھاپے میں عبادت کر لیں گے۔ یہ نہ ہو کہ صحت ہو تو تو کہے کہ اب بھنگڑا ڈال لیں۔ پھر خدا کو راضی کر لیں گے۔ خدا کے حضور جھک جائیں گے۔ یہ نہ ہو کہ فراغت کے لمحے تجھے میسر ہوں اور تو انہیں یونہی ضائع کرتا رہے اور

یہ کہے کہ آنیوالے وقت میں خدا کی رضا حاصل کرلیں گے۔ یہ نہ ہو کہ تو زندہ رہے اور خدا کی یاد سے غافل رہے۔ اور جب موت تیرے سامنے کھڑی ہو تو تو افسوس کررہا ہو۔ اور توبہ کررہا ہو۔ اور یہ حسرت کررہا ہو کہ کاش اب مجھے دنیا میں کچھ وقت اور دیا جائے۔

حضورؐ نے فرمایا :۔

"قبر تو دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے یا جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔" تو ہم کوشش کریں کہ ہماری قبر دوزخ کا گڑھا نہ ہو۔ بلکہ جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہو۔ حضورؐ نے اپنے غلاموں کو یہی نصیحت فرمائی اور آج بھی آپ کا یہی فرمان ہمارے جادۂ حیات کو کہکشاں بنا سکتا ہے۔

خدا تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

مورخہ ۲۴ر اپریل ۱۹۷۷ء
بعد نماز فجر
ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

(11) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ایک بڑی پیاری ایمان افروز اور حقیقت افروز حدیث ہے۔ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خانہ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے۔ طواف کرتے کرتے آپ ٹھہر گئے۔ ٹھہر کر رخ مبارک خانہ کعبہ کی طرف کر کے کہا۔

"اے اللہ تعالیٰ کے گھر تو بڑا ہی پاکیزہ ہے۔ اور تو بڑا عزت والا ہے۔ تیری پاکیزگی، عزت اور شان کی کوئی حد نہیں لیکن مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ مومن کی جان اور مومن کا مال اور مومن کی آبرو تجھ سے بھی خدا کے حضور زیادہ شان والی ہے۔"

حضور فرماتے ہیں کہ تو بڑا عزت والا ہے پاکیزگی اور شان والا ہے۔ لیکن بندۂ مومن کا مال تجھ سے بھی مرتبے اور شان و عظمت میں زیادہ ہے۔ ثابت یہ ہوا کہ جناب ہادیٔ اعظم ؐ نے انسانیت کو جو شرف عطا فرمایا وہ کسی اور نے نہیں دیا۔

اسلام سے قبل لوگ ایک دوسرے پر زیادتی کرتے تھے۔ ظلم کرتے تھے اور عزتیں پامال کرتے تھے۔ لیکن آپ کی تشریف آوری کے بعد انسانیت کا خفتہ بخت بیدار ہو گیا۔ کائنات کے نصیب جاگے اور انسانیت کو وہ شرف نصیب ہوا کہ نہ کوئی غریب رہا اور نہ امیر، عزت و ذلت کے پیمانے بدل گئے۔ اب عزت دار وہ نہیں تھا جو مال و دولت کے خزانوں کا مالک تھا بلکہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کی روشنی میں صاحب عزت وہی تھا جو زیادہ متقی اور پرہیزگار تھا۔

یہی بات تھی کہ فاروق اعظمؓ سویا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ سارا دن کام کرنے کے باوجود رات کو مدینہ کی گلیوں میں چکر لگاتے کہ کوئی پریشان حال نہ ہو۔ کوئی تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔ سارا دن مملکت کا کام کرنا اور رات کو مدینہ کی گلیوں میں پہرہ دینا یہ اسی کی نگاہ کرم کا فیض تھا۔

جن کے خلاف ہم نے محاذ بنایا ہوا ہے اور ہم اپنے حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ انہیں اپنی ذات عزیز ہے۔ اور بندۂ مومن کے خون کی کوئی قدر و قیمت نہیں گلیاں اور بازار خون کے چھینٹوں سے رنگین ہو رہے ہیں۔ قوم کی ماؤں اور بیٹیوں پر لاٹھیاں برس رہی ہیں۔ شرم و حیا کو سر بازار رسوا کیا جا رہا ہے۔ لیکن ان کی جبین پر شکن تک نہیں آتی۔ انہیں یہ خیال ہی نہیں کہ قیامت کے روز یہ پوچھا جائے گا۔ کہ تم نے اپنی انا کی تسکین اور ذات کے تحفظ کے لیئے غیرت و عزت کو کچل کر رکھ دیا تھا کہ تم نے قوم کی ناموس کو نیلام کیوں کیا تھا؟

جہاں ارباب حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ وہاں ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیئے۔ کہ ہماری وجہ سے کسی کی بے عزتی تو نہیں ہو رہی۔ کسی کی آبرو پر حرف تو نہیں آ رہا۔ اور کوئی ہماری وجہ سے فریاد کناں تو نہیں ہے۔

ایک دن حضور مدینہ طیبہ کی منڈی میں گئے۔ وہاں گندم کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ آپ نے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرتے ہوئے اپنا ہاتھ اس میں ڈال دیا۔ انگلیوں کے پوروں کو بھیگی بھیگی گندم محسوس ہوئی۔ آپ نے دانے باہر نکالے اور مالک سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ یہ کیا ہے؟ کہ اوپر تو خشک دانے ہیں اور اندر بھیگے ہیں۔

اس نے عرض کیا کہ میں نے یہ گندم فروخت کرنے کے لیے گھر رکھی تھی لیکن فروخت نہ ہو سکی۔ پھر کل یہاں لایا۔ رات کو بارش کی وجہ سے بھیگ گئی۔ میں نے خشک اوپر ڈال دی۔ اور بھیگی ہوئی نیچے تاکہ فروخت ہو جائے۔ یہ سن کر مدنی کریم ؐ نے صرف ایک ہی بات فرمائی "مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا" جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔ تو نے دھوکہ کیا ہے۔ کہ خشک اوپر رکھیں اور تر نیچے رکھی ہیں۔

آپ نے حدیث شریف کے الفاظ پر غور کیا۔ یہ فرمایا کہ جس نے کسی انسان کے ساتھ دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں یعنی ایک فرد کے ساتھ زیادتی اور دھوکہ کو اپنی ذاتِ گرامی کی طرف منسوب کیا اور اس سے بری الذمہ ہونے کا اعلان فرمایا کہ جو کسی ایک مسلمان کے ساتھ دھوکہ کرتا ہے وہ میرے ساتھ دھوکہ کرتا ہے۔ اجتماعیت، تنظیم، محبت و یگانگت کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں پیش کی جا سکتی۔

یہاں تو (دینِ اسلام میں) نفع بھی اجتماعی، نقصان بھی اجتماعی، خوشیاں اور مسرتیں بھی سانجھی اور غم و اندوہ کے طوفانوں کے مقابلہ میں بھی سارے ایک، اگر دنیا کے کسی ایک گوشے اور کونے میں کسی مسلمان کے پاؤں میں کانٹا چبھ جایا کرتا تھا۔ تو دور۔ بہت دور دوسرے کونے میں موجود مسلمان اس کی چبھن اور کسک اپنے دل میں محسوس کرتا۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :-

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا ایسا ہی سہارا ہے جیسے عمارت کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کا سہارا ہوتی ہے۔ یہ فرما کر آپ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کر کے دکھایا۔

ذرا غور تو فرمائیے اسلام جس محبت اور شفقت کی تعلیم دیتا ہے، اس کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟

گندم بھیگ جائے تو اسے سکھایا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے بھیگنے سے اس کی حالت میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آتی۔ وہ مضر صحت نہیں بنتی لیکن آپ نے اتنی بات بھی پسند نہیں فرمائی اور ہمارے ہاں سرخ مرچوں میں اینٹیں پیس کر ڈال دی جاتی ہیں۔ چائے کی پتی میں بھورا رنگ کر کے ملایا جاتا ہے۔ کھانڈ، دودھ، غرضیکہ کوئی شے بھی ملاوٹ سے پاک نہیں۔

غور فرمائیں اگر یہ خوراک معدے میں جائے گی تو معدہ اتنا طاقتور تو نہیں لکڑ، پتھر ہضم کر سکے۔ آخر وہ جواب دے دے گا۔ اور اس سے جو خطرناک اور قاتل صحت بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے تصور سے ہی دل کانپ اٹھتا ہے۔ یہ ایک فرد کا نہیں پوری قوم کا معاملہ ہے۔ پوری قوم کی صحت کو داؤ پر لگایا جا رہا ہے اس لیئے پوری قوم کی صحت سے کھیلنے والے کتنے سنگین جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اسی لیئے آپؐ نے اسے پوری ملت کا مسئلہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:۔ "من غش فلیس منا"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔ "زوال الدنیا اھون عند اللہ" پوری دنیا کی تباہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی، کوئی بھی وقعت نہیں رکھتی۔ "من قتل رجل مسلم" ایک مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں۔

یعنی اللہ کے نزدیک ساری دنیا اتنی قیمتی نہیں جتنی ایک مومن کی جان اور آبرو،

کیا اس سے بڑھکر شرفِ انسانی کی کوئی مثال ہو سکتی ہے۔ آپ اپنے سربراہانِ مملکت کو اسی پیمانے پر ناپیں کہ وہ کتنا کسی کی عزت وآبرو کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ کتنا ناموسِ مومن کا پاسبان ہے؟ اگر مسلمان سارے اس ارشادِ نبوی پر عمل پیرا ہوں تو جو معاشرہ تشکیل ہوگا۔ اس کا ذرا تصوّر فرمائیں۔

یہ ہمارے ساتھ جو جیل ہے۔ اس میں ہمارے بھائی ہی ہیں۔ کوئی کسی کا مال چرا کر آیا ہے۔ کوئی کسی کی عزت داغدار کر کے آیا ہے۔ کسی کے ہاتھ اپنے ہی مسلمان بھائی کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ کسی کا نام غلام رسول ہے اور کسی کا محمدؐ صدیق وغیرہ۔

ہم جس مصیبت میں گرفتار ہیں یہ ہمارے گناہوں کی شامت ہے۔ ہم نے کبھی اپنے آپ پر غور نہیں کیا۔ ہم دوسروں پر تنقید کرتے وقت اپنے آپ کو چھوڑ جاتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم جن امور کو ناجائز حرام اور خلافِ شرع سمجھتے ہیں اُن سے دستکش ہو جائیں۔

قوم افراد سے بنتی ہے۔ اگر رات کو ایک شمع روشن ہو۔ پھر دوسری رات،۔ پھر تیسری رات۔ تو وہ رات نور، علیٰ نور ہو جائے گی۔ شمع فروزاں ہو جائے گی۔ اور اس سے تاریکیاں چھٹ جائیں گی۔ تو

حضرتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک مومن کا مال، مومن کی جان اور مومن کی آبرو خانہ کعبہ

سے بھی برتر اور زیادہ ہے۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ کسی کا
مال چرانا، کسی کی آبرو پر حملہ کرنا اتنا بڑا جرم ہے۔ کہ اس
کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ آمین!

یکم مئی ۱۹۷۷ء
بعد نمازِ فجر
ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

(۱۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم

عن ابن عبد اللہ بن عمرؓ عن النبی قال المُسلم مَن سلِمَ المُسلمُونَ مِن لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ ؕ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو ارشادِ گرامی میں نے بیان کیا ہے۔ پہلے اس کا ترجمہ سنیئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "المُسلمُ من سلم المسلمون من لسانِہٖ وَیَدِہٖ ہ"

"مُسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے مسلمان محفوظ رہیں۔"

ایک شمع جل رہی ہو تو وہ اپنے ماحول کو نور سے منور کر دیتی ہے۔ جنگل میں پھول کھلا ہو تو وہ اپنے گرد و پیش کو معطر کر دیا کرتا ہے۔ اور ریگستانوں میں سایۂ دار درخت سفر کے تھکے ماندے اور درماندہ مسافر کو سکون و آرام اور سایہ بخشتے ہیں۔ اسی طرح محمد عربی کے غلام سے بھی انسانیت کو نورِ ہدایت نصیب ہوتا ہے۔ اور اس کے سایۂ رحمت کے نیچے دنیا کو سکھ اور آرام نصیب ہو جایا کرتا ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے آپ کو غلامانِ محمد کہلانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کسی کو ہم سے سکھ اور چین نصیب نہیں ہوتا تو ہمیں اپنے دعوئ غلامی پر نظرِ ثانی کرنا ہوگی۔

ذرا اسلام پر ایک نظر تو فرمایئے اس کی ہر ادا میں رحمت ہی رحمت اور سلامتی ہی سلامتی ہے۔ دنیا کی ساری قوموں کے ایک دوسرے سے ملتے وقت کے کچھ اصول اور ضوابط ہیں۔ ہندو جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ تو نمستے کہتے ہیں۔ انگریز ملتے ہیں تو (Good Morning) وغیرہ کے

الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اسلام کا طریقہ سب سے نرالا ہے۔ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا ہے۔ تو السّلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتا ہے۔ یعنی تم پر سلامتی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں۔" ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کے لیئے یہ الفاظ استعمال کرتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ تم پر میری طرف سے سلامتی ہو یعنی تمہیں میری طرف سے کوئی دکھ نہیں پہنچے گا۔ میرے دل میں تیرے لیئے بغض و عداوت کے انگارے نہیں محبّت اور رحمت کے پھول ہیں اور جواب میں دوسرا مسلمان بھی یہی کہتا ہے۔ آنحضور کا ایک اور ارشادِ گرامی ہے۔

عن ابنِ عمر رضی اللہ عنہ' انّ رسُول اللہِ صلّی اللہ علیہ وسلّم قال المسُلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ ومن کان فی حاجۃ اخیہِ کان اللہ فی حاجۃ اخیہِ کان اللہُ فی حاجتہٖ ومن فرّج عن مُسلِم کربۃً فرّج اللہُ عنہُ کربۃً من کربات یوم القیمۃِ ومن ستر مُسلِمًا سترہُ اللہ یوم القیمۃِ [1]

یعنی حضرت عمرؓ کہتے ہیں۔ فرمایا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اس پر زیادتی کرتا ہے۔ اور نہ ہی اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ اور فرمایا جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت روائی کریگا۔ اللہ تعالیٰ اس کی

---

[1] "مشکوٰۃ شریف کتاب الآداب"

حاجت روائی کرے گا۔ اور جو کوئی ایک مسلمان کی مصیبت دور کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت قیامت کے دن دور کرے گا۔ اور جو شخص مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کریگا۔

آپ ذرا غور فرمائیں کہ نبی رحمت نے کس طرح ایک مسلمان کا تعلق دوسرے مسلمان سے قائم فرما دیا۔ اور انہیں لافانی ربط میں منسلک کر دیا۔ اگر ہم اس پر عمل پیرا ہوں۔ اس فلسفہ کو سمجھیں تو دشمنی، حقارت اور نفرت کے جذبات کہیں رہ سکتے ہیں؟

نماز ہی کو لیجیے التحیات میں ایک مسلمان اپنے دوسرے بھائیوں کے لیے دعا کرتا ہے۔ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین (ہم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی) اور جب آخر میں وہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر دائیں رُخ سلام پھیرتا ہے تو کہتا ہے کہ یا اللہ ان سب پر جو مجھ سے دائیں طرف ہیں سلامتی بھیج اور پھر جب بائیں طرف سلام پھیرتا ہے تو کہتا ہے کہ جو مجھ سے دائیں طرف ہیں ان پر رحمت و برکت اور سلامتی نازل فرما۔ اس طرح جہاں وہ اپنے سلامتی کا طلب گار ہوتا ہے۔ وہاں اپنے بھائیوں کے لیے سلامتی مانگتا ہے تو اس حدیث پاک میں بھی یہی فلسفہ پیش کیا گیا ہے۔ کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے اور وہ امن و امان میں رہیں۔ جب ہم سب ایک دوسرے کے لیے رحمت کا پیکر بن جائیں گے۔ تو یہ دنیا جنت کا گہوارہ بن جائے گی۔ یہاں محبت اور اخوت کے پھول کھلیں گے۔ اور اس کے گلستانوں میں عندلیب بہار کے نغمے

گاتی سنائی دیں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں کے باہمی ربط وتعلق کو واضح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا :۔

"عَنۡ اَبِی مُوسٰی عن النّبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال المؤمِنُ للمؤمِنِ کالبُنیَانِ یَشُدُّ بعضُہٗ بعضًا ثُمَّ شَبَّکَ بین اصابِعِہٖ"

"حضرت ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم ؐ نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیئے ایسا ہی سہارا ہے جیسے عمارت کی اینٹ دوسری اینٹ کا سہارا ہوتی ہے۔ یہ فرماکر آپ نے ہاتھ کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کر کے دکھایا۔" [1]

ایک اور حدیث پاک میں فرمایا کہ مسلمان قوم کی مثال ایک جسم کی مانند ہے جس کے اعضاء تمام مسلمان ہیں خواہ کہیں بھی بستے ہوں۔ کسی بھی رنگ اور نسل سے تعلق رکھتے ہوں اور جس طرح جسم کا ایک عضو بے چین ہو تو سارا جسم بے چین ہوجایا کرتا ہے۔ ایسے ہی ایک فرد کی تکلیف پوری ملت اسلامیہ کو درد وکرب اور بے چینی میں مبتلا کردیا کرتی ہے

مسلمانوں کے باہمی ربط اور تعلق کی اس سے بڑھ کر کوئی نظیر پیش کی جاسکتی ہے؟

دوستو! ہم اس نبی کی امت ہیں جس کے سر پر رحمۃ اللعالمین کا تاج سجایا گیا،

---

[1] مشکوٰۃ شریف کتاب الآداب

جس کی رحمت وشفقت کا بادل پوری کائنات پر جی بھر کر برسا۔ اور جس سے کائنات کا ذرّہ ذرّہ مستفیض ہوا۔ اس لیئے اس کے پیروکاروں کا فرض ہے کہ وہ انسانیت کے لیئے مجسمۂ امن وسلامتی بن جائیں۔ ذرا تصور تو فرمائیں کہ ایک ایسا مثالی معاشرہ جس میں کسی کے ہاتھ اور کسی کی زبان سے کوئی تکلیف نہ پہنچے گاؤں میں، پھر شہر میں اور پھر ملک میں قائم ہوجائے۔ تو وہ جگہ اور سرزمین جنتِ ارضی کا نمونہ نہ بن جائے گی؟ اور وہاں کے لوگ آسمان سے اترے ہوئے فرشتے معلوم نہیں ہوں گے؟ اور پھر ساری دنیا اسلام کے سایۂ رحمت میں سکون حاصل نہیں کرے گی؟

یقیناً اسلام کا پیغام دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ جائے گا اور یہ دنیا امن وسکون کی جگہ ہوگی۔ جہاں خوشی ومسرت کے نغمے گائے جائینگے۔ اسی لیئے فرمایا:-

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ

اگر ہم اس فرمانِ نبوی پر عمل پیرا ہوجائیں تو ہماری ساری مشکلات ختم ہوسکتی ہیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین!

۱۰/ اپریل ۱۹۷۷ء
بعد نماز فجر
ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

(١٣) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

آج میں نے پہلے پارہ کے آخری رکوع کی چند آیتیں پڑھی ہیں۔ ان کے بارے میں عرض کرنے کی جسارت حاصل کروں گا۔

قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی مزدور مزدوری کر لیتا ہے۔ جب کوئی خدمت گار خدمت انجام دے دیا کرتا ہے تو اس وقت خدمت لینے والا اُجرت دیا کرتا ہے۔ ہمارا بھی رواج ہے کہ جب بھی کوئی فرد کام سرانجام دیتا ہے۔ محنت مزدوری کرتا ہے۔ کوئی خدمت انجام دے دیتا ہے تو اسے اس کی اجرت ادا کی جاتی ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ کام مکمل کرالیا جائے۔ اور اجرت دینے کے وقت کوئی انکار کر دے۔ اس دور میں بھی اس چیز کو بُرا تصور کیا جاتا ہے کہ کام کرا کے اُجرت نہ دی جائے۔ اب آپ خود تصور فرمائیں کہ خدمت لینے والا رب العالمین ہو اور خدمت سرانجام دینے والا حضرت ابراہیم خلیل اور حضرت اسماعیل ہوں۔ تو جب خدمت کا فرض ادا ہو چکا ہوگا۔ اور انہوں نے خدا کے حضور اپنی جھولی پھیلائی ہوگی۔ دستِ دعا دراز کیا ہوگا۔ تو خدا نے اُن کی بات مانی ہوگی یا نہیں؟

ضرورسانی ہوگی۔ کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک عام آدمی تو مزدوری ادا کرے
لیکن ساری کائنات کا رب مزدوری ادا نہ کرے۔ خود سوچئے جب انہوں
نے طلب کا دامن پھیلایا ہوگا۔ التجائیں کی ہوں گی۔ تو انہیں شرفِ قبولیت
بخشا گیا ہوگا یا نہیں؟

میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان مقبول بندوں نے اس وقت اپنے
مولائے کریم سے کیا مانگا۔؟ اس میں ہمارے لئے سبق ہے۔ درس ہے۔
کہ ہم بھی ایسے وقت خدا سے کیسے مانگیں اور کیا مانگیں؟

اس شہنشاہ سے اس کی شایانِ شان ہی مانگنا چاہیئے۔ اگر اس سے
کوڑیاں مانگی جائیں وہ کریم دے تو دیگا۔ جھولی خالی واپس تو نہیں آئے گی۔
لیکن ہم نے اس کی شانِ کریمی کا فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس لیئے انسان مانگے۔
تو وہ چیز کہ جب مل جائے تو دل کی ساری حسرتیں مٹ جائیں۔ سارے
ارمان پورے ہوجائیں۔ خواہشات تشنہ نہ رہیں اور پھر کسی سے مانگنے
کی حاجت نہ رہے۔

حضرتِ خلیل اور حضرتِ ذبیح علیہ السلام نے سب سے پہلی التجا کی تو یہ
کہ اے اللہ تعالیٰ یہ خدمت جو بڑی مشکل آب و ہوا میں ہم نے انجام دی ہے۔ اس
لو میں محنت و مشقت سے تیرا گھر تعمیر کیا ہے۔ پسینہ میں شرابور تیری اطاعت
کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اب التجا یہ ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا ...... کہ ہماری اس محنت
کو قبول فرمالے۔ کیونکہ نیکی وہی ہے۔ جسے وہ شرفِ قبولیت بخشے۔ قدم وہی ہے

جواس کی جنابِ عالی میں منظور ہو۔ عمل وہی ہے جو اس کی بارگاہ میں قبول ہو جائے اور اچھا کام وہی ہے جسے اس کی نگاہِ کرم انتخاب کر لے۔

بندے کا کام یہی ہے کہ جب اچھا کام کرنے کی سعادت نصیب ہو تو سراپا عجز بن کر دعا کرے کہ اے مولا کریم! مجھے اپنے دربار میں حاضری کی توفیق دینے والے! مجھے اپنے حضور سر جھکانے کی توفیق بخشنے والے! میری یہ نیکی قبول فرما۔ کیونکہ یہ نیکیاں اور سحر خیزیاں اسی وقت ہی ہیں جب تیری بارگاہ میں منظور و مقبول ہوں۔

تو سب سے پہلے عرض آپ نے یہ کی کہ ہماری اس محنت اور کاوش اور جد و جہد کو قبول فرما۔ ہمیں بھی چاہیئے کہ اچھے کام پر اترائیں نہیں۔ گھمنڈ نہ کریں۔ یہ سمجھیں کہ اس کی مہربانی اور توفیق سے یہ سب کچھ ہوا ہے۔ اور پھر عرض کریں کہ اسے قبول فرما۔

اس آیت سے ہمیں یہ سبق لینا چاہیئے کہ ہم خدا سے قبولیت کی دعا کریں اور سجدہ تشکر ادا کریں کیونکہ وہ تو ان جذبات و احساسات پر بھی مطلع ہے۔ جو ہمارے نہاں خانۂ دل میں پوشیدہ ہیں۔ اے ہمارے ظاہر اور باطن کو جاننے والے ہم پر رحم فرما۔

دوسری التجا کی (ربنا واجعلنا ۔۔۔۔۔۔ الخ) قبولیت کا وقت ہے دینے والا مصروفِ جود و سخا ہے۔ مانگنے والے دامنِ طلب پھیلا رہے ہیں۔ کیا مانگتے ہیں۔ ربنا واجعلنا ۔۔۔۔ الخ یا اللہ مجھے بھی اور میرے فرزند کو بھی جب تک ہم اس دنیا میں رہیں، جب تک سانس کا یہ رشتہ باقی رہے

تیرے ہر حکم کی فرمانبرداری کرتے رہیں۔ جب ایک جلیل القدر پیغمبر جس کا لقب خلیل اللہ ہے۔ یہ دعائیں کرتے ہیں کہ جب تک یہ سازِ حیات بج رہا ہے ہم تیری بارگاہ میں اپنی جبین سجدوں سے سجاتے رہیں۔

فرمایا ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے اور جب تک زندہ رہیں تیری فرمانبرداری میں رہیں ومن ذریتنا.... الخ یہ نہ ہو کہ جب تک ہم زندہ رہیں۔ تیرے ذکر کی شمع فروزاں ہو تیری فرمانبرداری میں تیری عبادت کا دور دورہ ہو۔ تیری یاد کے چراغ روشن رہیں اور جب ہم یہاں سے دار البقا کی طرف چلیں تو سرکشی کا دَور دورہ ہو جائے۔ تاریکی کا طوفان اُمڈ آئے اور کفر و شرک کی آندھیاں چھا جائیں۔ نہیں، بلکہ ہمیں ایسی اولاد عطا فرما کہ جس میں تیری فرمانبرداری کا جذبہ ہو جو تیرے ہر حکم کی تعمیل کرے اور راہِ راست پر چلنے والی ہو (ایسی اولاد سے خدا بچائے جو ہر وقت غرور اور نخوت کی پندار میں مبتلا رہے)۔ یہاں بھی درس حکمت ہے کہ انسان اولاد مانگے تو ایک ہی التجا کرے کہ مولا! اولاد دے مگر ایسی کہ تیری فرمانبردار ہو۔

ایک ہوا کرتی ہے خواہش اور ایک ہوتا ہے اس خواہش کی تکمیل کے تقاضے۔ ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا امام غزالیؒ اور امام ابوحنیفہؒ ہو لیکن اس خواہش کی تکمیل کے تقاضے بھی ہیں اس لیے آپ باپ ہونے کے تقاضے پہچانیں۔ کیونکہ یہ نہیں ہوا کرتا کہ بیٹا دودھ پیے مسلماں ماں کا جس میں اس کی سحر خیزیاں شامل ہوں۔ اس کے کانوں میں قرآن کریم کے الفاظ رس گھولتے رہے ہوں اور بڑا ہو کر بیٹا ڈاکو بن جائے۔ یہ نہیں ہو سکتا لیکن اگر ہو جائے تو اس میں

ہماری کوتاہیاں شامل ہوتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ جب وہ پیدا ہو تو اس کے کانوں میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کہو۔ تاکہ اس کے تحت الشعور میں یہ چیز رچ بس جائے کہ میں شیطان نہیں بلکہ خدا کا بندہ اور محمد مصطفیٰ کا غلام ہوں۔ ہمارا فرض ہے کہ جب وہ ہوش سنبھالنے کے قابل ہو تو اسے ربّ کا راستہ دکھائیں۔ کیونکہ اگر ہم اُسے ربّ کے حضور جھکنے کی عادت نہیں ڈالیں گے تو اور کون یہ فرض ادا کرے گا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے :۔

کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو اس سے اچھا عطیہ نہیں دے سکتا کہ اُسے اچھے طریقہ سے زندگی بسر کرنا سکھا دے۔ [۱]

ایک اور ارشادِ گرامی میں آپ فرماتے ہیں۔

لَاَنْ یُّؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَہٗ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِصَاعٍ ؕ

آدمی کے لیے کسی کو خیرات میں ڈھیر سارا مال دینے سے یہ بہتر ہے کہ اپنے بیٹے کی اچھی طرح تربیّت کرنے اور اس کو نیک عادتیں سکھانے میں روپیہ خرچ کرے۔ آپ نے دیکھا اولاد کی تربیّت اچھے طریقے سے کرنے کی کتنی بڑی فضیلت ہے ——— (مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الآداب)

مشکوٰۃ شریف کتاب العلم کی ایک اور حدیث پاک کے مطابق آدمی کے مرنے کے بعد جو اعمال اس کے کام آیا کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک صدقہ جاریہ

---

[۱] عن ایوب ابن موسیٰ عن ابیہ عن جدہٖ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما نحل والدٌ ولدہٗ من نحلٍ افضل من ادبٍ حسنٍ (مشکوٰۃ شریف کتاب الآداب) مرتب

اور نیک عمل وہ نیک اولاد بھی ہے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے۔

بخت والے والدین وہی ہیں جو اپنی اولاد کے لوحِ قلب پر ذکرِ الٰہی کے نشانات ثبت کر جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جب بھی ہمارا وقت آئے گا۔ ہمیں یہاں سے رخصت ہونا ہے۔ اور ہمارے بعد ہمارے مکانات، باغات، زمین، جائیداد یہ انہی کے نام ہو جائیں گے۔ تو اگر وہ خدا کے حضور اگر نہیں جھکیں گے۔ تو ہمیں کیا فائدہ ہو گا؛ لیکن اگر وہ جھکے گا تو کم از کم پانچ مرتبہ نماز تو پڑھے گا۔ اور یہ دعا کرے گا: رَبِّ اجعلنی مقیم الصلٰوۃ وَمِن ذُرِّیَتِی۔۔۔۔۔ رَبَّنا اغفرلی ولوالدیّ۔۔۔۔ الخ) تو جب تو قبر میں ہو گا۔ تیری اولاد خدا تعالیٰ کے در کرم پر دستک دے گی تو خدا تیرے درجات بلند کرے گا۔ تیری طرف نظرِ رحمت فرمائے گا اور اپنی بخشش کے دروازے کھول دیگا۔ تو چاہیئے کہ ہم اپنی اولاد کو مسلمان بنا کر جائیں اور اس سلسلے میں جتنی مشکلات بھی پیش آئیں۔ اُن سے دریغ نہ کریں۔

پھر فرمایا: "وارنا مناسکنا۔۔۔۔ الخ" یارب العالمین ہمیں اپنی یاد کے راستے خود دکھا کر ہمیں اپنی عبادت کے طریقے خود دکھا۔ "وتب علینا" اور ہماری توبہ قبول فرمانا۔

توبہ کے فاعل دو ہوتے ہیں کبھی انسان اور کبھی خُدا۔ اگر اس کا فاعل انسان ہو تو اس کا مفہوم تو وہی ہے جو پہلے بتایا تھا کہ توبہ اُسے کہتے ہیں کہ بندہ اپنے گناہوں پر خجالت محسوس کرے۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور پھر نہ کرنے کا عزم مصمم کرے۔ لیکن جب فاعل اللہ ہو تو اس کا مفہوم کیا ہوا کرتا ہے؟

یہاں سے "تُب" یعنی جب اللہ اپنی رحمت کی نگاہ سے بندے پر متوجہ ہوتا ہے۔ پریشان حال بندے پر نظر کرم کرتا ہے تو اسے توبہ کہتے ہیں (اے اللہ تعالیٰ تو ہمیں شفقت کی نگاہوں سے دیکھتا رہ۔ تو بڑی مہربانی فرمانیوالا ہے تو ہمیشہ بندوں پر کرم فرمانیوالا ہے)

تو یہ دعائیں تھیں جو حضرت ابراہیمؑ نے کی تھیں۔ جب توبہ کا دروازہ کھلا تھا۔ جب مزدوری کر چکے تھے۔ پہلے جو کچھ مانگا اپنے لیئے اور اپنی اولاد کے لیئے مانگا لیکن آخر میں جو دعا ہے یہ ساری مخلوق کے لیئے ہے۔ کیا مانگا۔ فرمایا: "ربنا وابعث فیھم رسولاً" میری اولاد میں سے ایک عظیم المرتبت رسول بھیجنا۔ معمولی نہیں کہ جس کا دامن رحمت وسیع نہ ہو بلکہ اتنا وسیع ہو کہ وہ زمان و مکان کی حدود سے ماورائی ہو۔ قیامت تک کے لیئے لوگوں کے دلوں کو منور کرتا رہے۔

ایسا رسولؐ آکر کیا کرے۔ کشور کشائی نہیں بلکہ وہ تیری پاک آیتیں پڑھ کر سناتا رہے۔ یعنی شعر نہیں اور اپنی طرف سے بھی نہیں بلکہ کلام پاک بھی تیری ہو اور زبانِ پاک اس کی ہو۔

سنا کر چلا نہ جائے بلکہ اس کتاب کے اسرار و معانی اور معارف اور الطاف و اسرار کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر سے بھی آشنا کرے اور تعلیم دے تاکہ کسی انسان کو موقع نہ ملے کہ کتاب سُنی تو تھی۔ تیرے رسولؐ نے سنائی تو تھی مگر یہ پتہ نہ چلا کہ یہ کیسے احکامات تھے۔ اور کیا کرنا تھا۔ پڑھ کر سنائے بھی اور سکھائے بھی اور ایسا سمجھائے کہ عارف بھی سمجھے اور عامی بھی۔ لکھا پڑھا اور اَن پڑھ بھی، غریب بھی اور امیر بھی، گورا بھی اور کالا بھی۔ جو بھی آئے اس دریائے رحمت

ہیں غواصی کر کے موتیوں سے اپنا دامنِ مراد بھر لے۔

کیا یہی یا کوئی اور بھی فریضہ ہے؟ فرمایا: وَیُزَکِّیھِم... الخ. جو ملوث ہو کر اس دربار میں آئے۔ اُسے پاک کر دے جو صنم کدہ ہوں، وہاں تیری رحمت کا چراغ روشن کر دے۔ نگاہ ڈال دے اور آئینہ دِل کو صاف اور شفاف کر دے۔

یہ معمولی التجائیں نہیں بلکہ بہت بڑی ہیں۔ لیکن اس کے سامنے نہیں جس کا دامن جود و سخا محدود ہے۔ جس کا علم اور جس کی قدرت، متناہی ہے بلکہ اس کے حضور جو اَنتَ العَزِیزُ الحَکِیم ہے۔

یہ ہیں وہ دعائیں جو حضرت ابراہیمؑ نے اس وقت کیں جب درِ توبہ کھلا تھا۔ جب وہ اپنا فریضہ ادا کر چکے تھے۔ یقیناً خداوند تعالیٰ نے پیارے رسول کی یہ دعائیں قبول فرمائیں۔ تو جب بھی مانگو ایسی چیز مانگو کہ پھر کوئی طلب نہ رہے، جنّت کے پانی کے بارے میں ہے کہ رسولِ پاک جب مومن کو حوضِ کوثر سے پانی پلائیں گے تو پھر پیاس نام کی کوئی چیز نہیں رہے گی۔

خدا ہمیں بھی ان آیات پر غور و فکر کی توفیق عطا فرمائے اور وہی چیزیں مانگنے کی توفیق دے جن کے ملنے کے بعد ساری آرزوئیں ختم ہو جائیں۔ آمین!

۲ر مئی ۱۹۷۷ء

بعد نمازِ فجر

ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

(۱۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

من اراد ان یکون اقوی الناس فلیتوکل علی اللہ ہ

حضرات!

میں نے نبی رحمت کا ارشاد گرامی آپ کے سامنے پڑھا ہے. حضور ارشاد فرماتے ہیں۔ "من اراد ان یکون اقوی الناس فلیتوکل علی اللہ ہ" جو شخص اس بات کا ارادہ کرتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور ہو جائے. کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکے. کوئی اس کو پچھاڑ نہ سکے. اگر کوئی اپنے لیئے یہ ارادہ رکھتا ہے تو اُسے اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیئے. اور جس کا توکل علی اللہ کامل ہو گیا، پختہ ہو گیا. تو وہ انسان وہی ہے. جسے دنیا کی کوئی پچھاڑ نہیں سکتی. یہاں تک کہ موت بھی اسے شکست نہیں دے سکتی. یہ مختصر الفاظ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے نکلے ہیں. آپ ان پر غور فرمائیں گے. آپ کو حقیقت سمجھنے میں مدد ملے گی. انسان کے وسائل کتنے محدود ہیں. اس کے دوستوں کا حلقہ وسیع سہی. وہ بہت بڑا عالم بھی ہو. اس کے پاس دولت کی فراوانی ہو. ہزاروں خدام اس کی جنبش ابرو کے منتظر ہوں. وہ صاحب شوکت و اقتدار بھی ہو. پھر بھی کوئی مقام ایسا آتا ہے. جب اسے پتہ چلتا ہے کہ میرا لشکر میرا ساتھ نہیں دے سکتا. یہ مال و دولت کے ڈھیر مجھے مصائب سے نجات نہیں دلا سکتے اور اسے اعوان و انصار کی بے کسی اور بے بسی کا عملی مشاہدہ ہو جاتا ہے کہ یہ چیزیں کسی کام کی نہیں. جب یہ مقام آتا ہے کہ ظاہری قوتیں ساتھ چھوڑ دیں تو اس وقت ایک ایسی ذات بھی ہے. جس کا نام "اللہ" ہے.

جو ہر طاقت پر غالب ہے۔ اس کے سامنے کسی فرعون کو دم مارنے کی جرأت نہیں ہوا کرتی۔ کسی شداد کی شوکت و جبروت کا چراغ نہیں جل سکتا۔ اس سے بڑا زور آور دنیا میں کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور مقبول بندوں کو جو طاقت دیکر بھیجا تھا وہ یہی تھی جس کی وجہ سے وہ بے سروسامان ہونے کے باوجود پہاڑوں سے ٹکرا گئے۔ دریاؤں میں کود گئے۔ اور فرعون کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمیشہ انہی کا پلڑا بھاری رہا۔

جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مصر سے ہجرت کر کے بحر احمر کے کنارے پہنچے۔ فرعون کو پتہ چلا کہ موسیٰ اور اس کی قوم جس سے ہم بیگار لیتے تھے۔ جو ہمارے خدام تھے۔ نوکر تھے۔ اور اگر اب یہ چلے گئے۔ تو نوکر اور خدام کہاں سے آئیں گے تو وہ لشکر لے کر آپ کے تعاقب میں نکلا۔

"فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعَانِ قَالَ اَصْحَابُ مُوسٰی اِنَّا لَمُدْرَكُونَ ۝"

آپ اپنی قوم کے ساتھ بحر احمر کے کنارے پہنچے اور جب وہ اتنا قریب پہنچ گئے کہ فرعون نے بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ کو اور بنی اسرائیل نے فرعون اور اس کے لشکر کو دیکھ لیا تو حضرت موسیٰ کے ساتھی پریشان ہو گئے۔ کہ ہم پکڑے گئے۔ ہم تو گھر میں بڑے آرام سے تھے۔ آپ ہمیں دھکیل کر موت کے منہ میں لے آئے۔ آگے ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ اور پیچھے فرعون کا لشکر جرار۔ حضرت موسیٰ بھی دیکھ رہے تھے کہ سمندر کی لہریں بہا کر لے جا سکتی ہیں۔ اور فرعون کا لشکر بھی بڑھتا چلا آرہا ہے۔ محاصرہ تنگ ہے۔ آپ نے اس مشکل کا حل کیا کیا؟ گرتے ہوئے حوصلوں کو کیسے تسلی دی۔ زبان سے یہی نکلا۔

قَالَ كَلَّآ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝

فرعون مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ میں اکیلا نہیں۔ میں تنہا نہیں۔ آپ کو مکمل اطمینان تھا۔ آپ جانتے تھے کہ خدا اپنے بندوں کو یونہی نہیں چھوڑ دیتا بلکہ ایسے وقت میں اس کی رحمت گھٹائیں باندھ کر آتی ہے۔ اس کی نصرت اپنے بندوں کا استقبال کیا کرتی ہے۔ چنانچہ آپ نے آگے بڑھکر دریا میں اپنا عصا مبارک مارا۔

ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا رک گیا۔ اس کی سر پھوڑتی ہوئی لہریں خاموش ہوگئیں۔ خوفناک منظر کا نام و نشان تک نہ رہا۔ عصا مارنے کی دیر تھی کہ دریا میں خود بخود رستہ بن گیا۔ دونوں طرف کا پانی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ اور موسیٰؑ اپنے ساتھیوں سمیت بخیر و عافیت پار نکل گئے اور فرعون کا لشکر انہی نیل کی موجوں میں غرق ہوگیا۔

تو جب بندہ اللہ پر توکّل کرتا ہے۔ تو نارِ نمرود گلزارِ خلیل بن جایا کرتی ہے سمندر کی لہریں خود بخود رستہ دیدیا کرتی ہیں۔ اللہ پر توکّل ہی مومن کا سب سے بڑا اسلحہ ہوتا ہے اور یہی آسرا ہوا کرتا ہے۔

جب حالات ناخوشگوار ہوا کرتے ہیں۔ جب ہر طرف حسرت و یاس کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس وقت ان کا اعتماد ہوتا ہے کہ یہ قوت کسی کام نہیں آئیگی۔ یہ لشکر کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتا۔ لیکن جس رب پر بھروسہ ہے۔ اس کے نزدیک تو یہ تکلیف کوئی بڑی نہیں ہے۔

اسی لیئے فرمایا کہ جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ دنیا میں طاقت ور ہو اس کی

ہمّت کو کوئی شکست نہ دے سکے۔ اس کے بڑھتے ہوئے قدم کوئی نہ روک سکے۔ تو خدا پر بھروسہ رکھے۔ پھر یہ مشکل کے بادل چھٹ جائیں گے اور یہ مطلع صاف ہو جائے گا۔

• لیکن توکّل کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھ جائیں اور جو کر سکتے ہیں۔ وہ بھی نہ کریں۔ بلکہ فرمایا :- "لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی" ۔ جتنے تمہارے وسائل ہیں۔ جتنی تمہاری قوّت ہے وہ تم صرف کرو۔ جتنی کمی ہے۔ وہ ہم پوری کر دیں گے۔ تو اگر ہم چادر تان کر سو جائیں اور کہیں کہ خدا پر توکّل ہے تو یہ موسیٰ کی قوم کا توکل تو ہو سکتا ہے۔ لیکن غلامانِ محمدؐ کا توکّل نہیں ہو سکتا۔ موسیٰ کی قوم کے افراد جنہیں کہا گیا تھا کہ آؤ جنگ کرو۔ لیکن انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا خدا جا کر جنگ کرے جب علاقہ فتح ہو جائے گا۔ تو ہم آجائیں گے مکانات تعمیر کریں گے۔ مدرسے اور مسجدیں بنالیں گے۔ یہ بات بنی اسرائیل کو تو زیب دیتی تھی۔ مگر محمدؐ عربی کے غلاموں کو زیب نہیں دیتی۔ بلکہ سر دینا ان کا کام ہے۔

۱۷ رمضان المبارک ۲ھ کو جب آنحضورؐ نے یہ اعلان فرمایا کہ دشمن کا ایک لشکرِ جرّار جو جنگی ساز و سامان سے لیس ہوکر اور جن کے پاس تلواریں ہیں۔ زرہیں ہیں۔ گھوڑے ہیں اور افرادی قوّت ہے۔ اسلام کو نیست و نابود کر دینے کے ناپاک عزائم کے ساتھ حملہ آور ہونے کے لیے بڑھتا آرہا ہے۔ تو اے میرے غلاموں! اے میرے جان نثار صحابہؓ تمہارا کیا خیال ہے تو غلامانِ محمدؐ نے یہ نہیں کہا تھا کہ تو اور تیرا خدا جا کر جنگ کرے ہم آکر مالِ غنیمت سمیٹ لیں گے بلکہ فرمایا :- اے میرے آقا ہم آپ کو وہ جواب نہیں دیں گے۔ جو قوم موسیٰ نے

حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا. بلکہ آپ کے ایک ادنیٰ اشارے پر ہم اپنی جانیں قربان کردیں گے. ہم خود کٹ جائیں گے لیکن آپ کو خراش نہیں آنے دیں گے. جہاں آپ کے بال کو تکلیف پہنچنے کا گمان ہوگا وہاں ہم گردنیں پیش کردیں گے.
اور پھر بدر کے میدان میں آسمان والوں نے دیکھا. زمین والوں نے دیکھا. جنت والوں نے نظارہ کیا اور فردوس کی حوروں نے بھی. عرش والوں نے بھی دیکھا. اور فرش والوں نے بھی کہ محمد عربی کے غلام پیٹ پر پتھر باندھ کر دشمن سے ٹکرا گئے تھے اور انہوں نے دشمن کو نیست و نابود کر دیا تھا.

وہ کون سا جذبہ تھا. کون سی قوت تھی اور کون سی طاقت تھی جس نے انہیں ایسا کرنے پر اکسایا تھا؟ یہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور محمد عربی سے عشق تھا جس نے انہیں ہر چیز سے بے نیاز کر دیا تھا۔

تو جب اسلام پر نازک وقت آئے اس وقت سر دینا مسلمان کا کام ہے. جتنے وسائل ہیں. جتنی قوت ہے ان کو فراہم کرنا ہمارا کام ہے. اور کامیابی سے ہمکنار کرنا خداوند کریم کا کام ہے.

لیکن شرط یہ ہے کہ ناز قوت و شوکت اور تدبیر پر نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ہو تو اللہ تعالیٰ خود مدد فرمائے گا. "ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم ویثبت اقدامکم" اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا. اور تمہیں باطل کے مقابلہ میں کامیابی عطا کرے گا.

آپ جو یہ قید و بند کی تکالیف برداشت کر رہے ہیں. اپنی پکی ہوئی گندم کھیتوں میں چھوڑ کر آئے ہیں. بال بچے گھروں میں ہیں. کیونکہ آپ یہ سوچتے ہیں کہ

اگر آج ہم نے قربانی نہ دی تو شاید اسلام کی صبح نہ ہو سکے۔ ہمیں یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ ہمارا وزن ہاتھی جتنا ہے یا چونٹی جتنا، بلکہ جتنا بھی ہے۔ ہمیں سارا وزن اسلام کے پلڑے میں ڈال دینا چاہیئے۔ انشاء اللہ مولائے کریم خود مدد فرمائے گا۔ ارشادِ خداوندی ہے اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے تو تمہیں کامیابی سے ہمکنار ہم کریں گے۔ آپ روز جو کچھ سنتے ہیں۔ ایسے نشیب و فراز راستہ میں آتے ہیں۔ آپ نیتوں کے خلوص کو سامنے رکھیں، حوصلہ بلند رکھیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ "ان تنصروا اللہ ینصرکم"

تو فرمایا : اِنَّ اِرَادَ ...... جو یہ چاہتا ہے کہ اُسے کبھی نہ پچھاڑا جا سکے۔ وہ اپنے رب پر توکل کرے۔ جتنا اس سے ہو سکے۔ اس میں کاہلی اور سستی نہ کرے پھر نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ کامیاب اور کامران فرمائے گا۔

انشاء اللہ!

۵ رمئی ۱۹۷۷ء

بعد نماز فجر

ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

(۱۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۝

آج میں آپ کے سامنے یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بنایا ہے جو کچھ تخلیق کیا ہے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک وہ جن پر ہمارا اختیار نہیں اور دوسرے وہ جن میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی حکمت سے کچھ اختیار دیا ہے۔ پہلی قسم میں ہماری پیدائش، موت اور شکل و صورت وغیرہ ہیں۔ ہمیں اپنی پیدائش پر کوئی اختیار نہیں۔ اسی طرح موت ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم وقتِ مقررہ سے پہلے مر جائیں یا ہم اگر نہ مرنا چاہیں تو نہ مریں۔ یا جس جگہ ہماری مرضی ہو اسی جگہ ہماری موت آئے۔ ایسے ہی انسان کی شکل و صورت ہے۔ وہ ہمارا قد چھوٹا بنا دے یا بڑا۔ رنگ گندمی بنا دے یا کالا سیاہ۔ ہمارے نقش دلفریب بھی ہو سکتے ہیں۔ اور بھدّے بھی۔ لیکن ہمیں انہی کے ساتھ گزارا کرنا ہوگا۔ جیسے ہمارا رب بنائے گا۔ ہم اس سلسلہ میں اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ دوسرے وہ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ہمیں کچھ اختیار دیا ہے۔ جیسے بینائی دی اور دیکھنے میں اختیار دے دیا۔ چاہیں تو ہم اس سے وہ چیزیں دیکھیں جن سے خدا نے ہمیں منع فرمادیا ہے اور چاہیں تو اس سے وہ چیزیں دیکھیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ ہم اگر چاہیں تو اس سے سینما، ٹیلی ویژن، دیکھتے رہیں۔ گندے اور فحش ناول پڑھتے رہیں۔ اور اگر چاہیں تو قرآن مجید کی تلاوت کر کے اپنے رب کو ہم کو راضی کر لیں۔ یہ ہمیں اختیار دیا گیا ہے کہ ہم چاہیں تو ان چیزوں کو دیکھیں جن سے ہمارا خالق خوش ہوتا ہے اور اگر چاہیں تو وہ طریقہ اختیار کریں جس سے ہمارا

مولائے کریم ناراض ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی ہاتھ ہیں۔ ہم چاہیں تو کسی غریب پر ظلم کرتے پھریں۔ اور چاہیں تو ان سے کسی مظلوم کی مدد کریں۔ چاہیں تو اُن سے حلال روزی کماکر اپنی دنیا اور آخرت سنوار لیں۔ اور اگر پسند کریں تو حرام کماکر اپنی دنیا اور آخرت کی بربادی کا سامان کرلیں۔ پاؤں دیئے اور ہمیں اختیار دے دیا کہ چاہو تو جدھر میری رضا ہے۔ چل کر جاؤ، مسجد میں جاؤ۔ نیک مجلس میں جاؤ۔ اور اگر پسند کرو تو بُرے ٹھکانوں اور بُری مجلس میں چلے جاؤ۔ اور اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے پھرو۔

تو ان امور میں جن میں ہمیں کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ ہم بالکل بے بس ہیں اور اگر کچھ چاہیں تو بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن ان باتوں میں جنہیں ہمیں اختیار دیا گیا ہے۔ اس اختیار کو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور رضا پر قربان کر دینا اسلام ہے۔

یعنی ہماری آنکھ وہی دیکھے جس کے دیکھنے کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ہمارے پاؤں ادھر ہی حرکت کریں جس سے ہمارا رب راضی ہوتا ہے اور ہمارے ہاتھ وہی کچھ کریں۔ جس میں مولائے کریم کی رضا ہے۔ ہماری زبان سے وہی کلمات نکلیں جو اس کی خوشنودی کا باعث ہوں۔ اور جس سے اس کی رضا حاصل ہو۔ یہ اسلام ہے۔ اسلام ایک مومن کے دل و دماغ اور نگاہ میں جو عظیم انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے میں آپ کو رسول اکرمؐ کے ایک صحابی کا واقعہ سناتا ہوں۔

حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ، رسولِ اکرمؐ کے ایک صحابی تھے۔ وہ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ حضورؐ ایک روز خانہ کعبہ کا طواف فرما رہے

تھے اور میں وہاں تھا۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ آج موقعہ ہے جو کام مکّہ کے بڑے بڑے لوگ نہیں کر سکے۔ آج میں کر دیتا ہوں۔ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پشت میری طرف کریں گے۔ تو میں آپ کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دوں گا۔ میں نے ابھی سوچا ہی تھا کہ آپ نے فرمایا: تعال یا فضالۃ "اے فضالہ ادھر آؤ۔ فضالہ قریب آئے۔ فرمایا کیا کر رہے ہو۔ فضالہ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ عبادت میں مصروف تھا۔ طواف کر رہا تھا۔ تو دل کی پہنائیوں میں چھپے ہوئے رازوں کو جاننے والے محبوب نے، کائنات کی قسمت بدلنے والے آقا نے فرمایا۔ فضالہ بڑی مدّت دور رہے ہو۔ میرے قریب آؤ۔ میں قریب آیا تو رسولِ اکرم ﷺ نے میرے سینہ پر ہاتھ پھیرا مجھ پر حقیقت عیاں ہوگئی۔ میرے سینے کی کدورتیں چھٹ گئیں۔ دل کی دنیا بدل گئی۔ میں قدموں پر گر پڑا اور بے ساختہ پڑھا:

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اس کے بعد میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اس راستہ میں میری محبوبہ کا گھر تھا۔ وہ یہاں رہا کرتی تھی۔ جب میں اس کے گھر کے قریب پہنچا تو وہ حسبِ معمول میرا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ میں نے توجّہ نہ دی اور اپنی نگاہیں جھکا لیں۔ اس نے سمجھا شاید میں ناز و نخرہ کر رہا ہوں اور سوچا جب قریب آئیگا۔ تو ٹھیک ہو جائے گا۔ میرا حسن دیکھکر بیتاب ہو جائے گا۔ میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ لیکن آنکھ اٹھا کر بھی اس کی طرف نہ دیکھا۔ وہ حیران تھی کہ آج مجھے کیا ہو گیا ہے۔ آخر اس نے مجھے آواز دی۔ کہ فضالہ میں نے کیا غلطی کی ہے۔ مجھ سے کیا جرم سرزد ہوا ہے کہ آج تو میری طرف نظرِ التفات نہیں کر رہا اور اس طرح بے پرواہی

سے گزر رہا ہے۔ جیسے ہم دونوں میں کبھی راہ و رسم تھی ہی نہیں۔

فضالہ کہتے ہیں میں نے آنکھیں نیچی کئے ہوئے ہی جواب دیا۔ پہلے میں تیرا غلام تھا اور آج سے محمدؐ عربی کا غلام ہوں۔ پہلے تیری زلف کا اسیر تھا۔ اور آج سے گیسوئے مصطفےٰؐ کا اسیر ہوں۔ پہلے میری زندگی کفر و طغیان کی زندگی تھی۔ مگر آج جس محمد مصطفیٰؐ کا میں نے کلمہ پڑھا ہے۔ وہ مجھے ان باتوں سے منع کرتا ہے۔ اس لئے میں ایسا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میں نے کوئی توجہ نہ دی اور دھیان دیئے بغیر وہاں سے گزر گیا۔ ٥

اسلام مسلمانوں کی زندگی میں جو عظیم انقلاب پیدا کرتا ہے۔ وہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ وہی فضالہ تھے جو چند لمحے پیشتر اس محبوبہ پر جان چھڑکتے تھے۔ لیکن نگاہ مصطفےٰؐ کا اثر تھا کہ چند لمحے بعد اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ آپؐ کی ایک نگاہِ فیض اثر نے حضرتِ فضالہ کو گمراہی کی وادی سے نکال کر نورِ ہدایت کی وادی میں پہنچا دیا۔ گناہوں کی دلدل سے نکال کر رضائے الٰہی سے آشنا کر دیا۔

حضرتِ فضالہ کو اللہ تعالیٰ نے جو بینائی عطا فرمائی تھی۔ آپ اس سے اپنی اس محبوبہ کی طرف دیکھ سکتے تھے۔ لیکن آپ نے اس اختیار کو خدا کی رضا پر قربان کر دیا اور اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ یہی اسلام ہے اور یہی اسلام کا پیغام کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا ہو جائے۔ اپنی ساری خواہشات سے دستبردار ہو جائے۔ جھکے تو اسی کے سامنے اور اگر دامن طلب پھیلائے تو اسی کریم کے حضور ــــ!

انسان کو در در پر دھکے کھانے کی بجائے ہر چیز اللہ تعالیٰ سے طلب کرنی

چاہیئے۔ جب آپ کو مانگنا ہی ہے تو اس سے مانگو۔ جس کے دربار سے کوئی خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹتا۔ کوئی آرزو تشنۂ تکمیل نہیں رہتی۔

حضرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے:
"میرا خدا تعالیٰ بڑا ہی شرموں والا ہے۔ اور حیاء والا ہے۔ اُسے حیا آتی ہے کہ اس کا گناہگار بندہ اس کے حضور میں ہاتھ اٹھائے۔ اپنا دامن مراد اس کے آگے پھیلائے۔ اور پھر وہ خالی ہاتھ واپس آئے۔

لیکن ایک بات ہمیشہ ذہن میں رکھیئے کہ خدا سے مانگو تو ایسی چیز مانگو کہ اس کے بعد کسی اور کی طلب نہ رہے۔ ساری امنگیں ساری آرزوئیں ختم ہو جائیں اور نا تمام تمنائیں تشنہ نہ رہیں۔ تو میں بیان کر رہا تھا کہ اسلام نام ہی اس چیز کا ہے۔ کہ جن امور میں خدا تعالیٰ نے ہمیں کچھ اختیار اپنی حکمت سے عطا فرمائے ہیں۔ ہم خدا اور رسولؐ کی رضا کے لیے اپنے ان اختیارات سے دستبردار ہو جائیں۔ اگر ہم نے یہ کر لیا تو صحیح معنوں میں مسلمان بن گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں قدم قدم پر ہمارا استقبال کرنے کے لیئے بے قرار ہوں گی۔

خدا تعالیٰ ہمیں سچا اور پکا مسلمان بنائے۔ آمین!

۴-۴-۱۹۷۷ء
بعد نماز فجر

(۱۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی وَ اَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی ؕ

آج جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ عطا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے لیے آسان چیزیں آسان فرما دیتا ہے اور جو لوگ بخل کرتے ہیں خدا تعالیٰ ان کے لیے مشکلات پر عمل کرنا آسان فرما دیتا ہے۔

اس آیت کا مفہوم شائد میں پوری طرح آپ کو نہ سمجھا سکوں کیونکہ ہو سکتا ہے جو میں کہنا چاہوں وہ صحیح طور پر ادا نہ ہو سکے لیکن اپنے علم کے مطابق میں کوشش کروں گا۔

پہلے جملہ میں " اَمَّا مَنْ اَعْطٰی " کہ جو لوگ عطا کرتے ہیں۔ کیا عطا کرتے ہیں؟ اس کی تفصیل اس آیت میں بیان نہیں کی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اُن کے پاس موجود ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں لٹاتا رہتا ہے۔ اپنا مال، اپنی جان، سب کچھ اللہ کی راہ میں ضرورت پڑنے پر قربان کر دیتے ہیں۔

تو جو لوگ ایسا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کے لئے " آسانیاں " آسان فرما دیتا ہے اور جو بخل کرتے ہیں مشکل چیزیں ان کے لئے آسان ہو جاتی ہیں۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اسلام کی فطرت پر پیدا فرماتا ہے تو گویا انسان کی فطرت نیک ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ ماحول ہے۔ جو اسے کبھی فطرت کے مطابق اور کبھی فطرت کے خلاف ڈھال دیتا ہے۔ اور انسان نیک یا بد بن جاتا ہے۔

تو پتہ یہ چلا کہ آسان چیزوں سے مراد وہ امور ہیں جو فطرتِ انسانی کے مطابق ہوں یعنی نیکیاں اور مشکلات سے مراد وہ امور ہیں جو فطرتِ انسانی کے خلاف ہوں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات جو قرآن مجید کی حقیقی تفسیر ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"عن علی رضی اللہ عنہٗ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم" حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ما منکم من احدٍ" کوئی تم میں سے ایسا نہیں" الا وقد کتب مقعدہ من النار و مقعدہ من الجنۃِ" کہ جس کے ٹھکانے کے بارے میں لکھا نہ گیا ہو کہ وہ جہنم میں جائیگا۔ یا جنت کی پر بہار وادیوں میں۔ اس کا ٹھکانا اچھا ہوگا یا بُرا۔ قالوا یا رسول اللہ افلا نتکل علیٰ کتابنا و ندع العمل" صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم لکھے ہوئے پر بھروسہ کر کے بیٹھ نہ جائیں اور عمل کرنا چھوڑ نہ دیں۔" قال اعملوا" فرمایا عمل کرو۔" فکل میسّر" لما خلق له اما من کان من اھل السعادۃ فییسرہ لعمل السعادۃ" عمل کرو کیونکہ ہر شخص کے لیئے انہیں امور کو آسان کر دیا جاتا ہے۔ جن کے لیئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ جو شخص نیک بخت ہوگا اس کے لیئے نیک بختی کا عمل آسان کر دیا جائیگا۔

وامّا من كان من اهل الشقاوة فييسره لعمل الشقاوة : اسخ اور جو شخص بدبخت ہوگا ۔ اس کے واسطے بدبختی کا عمل آسان کر دیا جائے گا ۔[1]

اس حدیث مبارکہ نے آیت کی تشریح فرمادی ۔ اب آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جانی اور مالی قربانی کرتے ہیں ۔ خدا تعالیٰ انہیں نیکیوں میں مزید ترقی کی توفیق عطا فرمایا کرتا ہے اور نیک امور پر عمل ان کے لیے آسان فرمادیا کرتا ہے ۔ اور جو لوگ بخل کرتے ہیں اور برائی کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں ان کے آئینہ دل پر گناہوں کا غبار تہہ در تہہ جمتا رہتا ہے ۔ اُن کا دل زنگ آلود ہوجایا کرتا ہے اور وہ برائی پر عمل کرنے میں آسانی محسوس کرتے ہیں ۔ اور انہیں اس میں قطعاً کوئی جھجک یا گرانی محسوس نہیں ہوتی ۔

مثلاً شراب حرام ہے وہ آدمی جو نیک ہے ۔ اس کے لئے شراب پینا انتہائی مشکل ہے کیونکہ برائی کرنا اس کے لیے مشکل ہوجایا کرتا ہے اس لیے کہ برائی فطرتِ انسانی کے خلاف ہوتی ہے لیکن ایک بُرا آدمی اسے پینے سے دریغ نہیں کرتا کیونکہ خلافِ فطرت امور (مشکل امور) پر عمل کرنا اس کے لیے آسان ہوجایا کرتا ہے ۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کے راستہ پر خرچ کرنا چاہیئے ۔ اور اس سلسلہ میں بخل سے کام نہیں لینا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں نیکیوں کی مزید توفیق عطا فرمائے ۔ یہ نہیں کہ ہم ہزاروں لاکھوں کے حساب سے خرچ کریں بلکہ اگر آپ کے پاس ایک روپیہ ہے تو

---

[1] مشکوٰۃ شریف

آپ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے شرم محسوس نہ کریں۔ کیونکہ وہ تو وہ ذاتِ گرامی ہے جو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے چھپے ہوئے راز جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میرا یہ بندہ کس نیت سے خرچ کر رہا ہے۔ وہاں کثرت وقلت کو نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ حسن نیت اور خلوص کو دیکھا جاتا ہے۔ جتنا نیت میں خلوص ہوگا اتنا ہی زیادہ اجر ملے گا۔ لیکن اگر نیت میں نام ونمود ہوگا۔ کوئی دنیاوی لالچ ہوگا تو لاکھوں کے ڈھیر بھی رائیگاں جائیں گے۔

ایک جنگ کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو حکم فرمایا کہ جو کچھ آپ قربان کر سکتے ہیں کریں۔ کہ فوج کے لیئے اسلحہ اور دیگر ساز وسامان کی اشد ضرورت ہے۔ صحابہ کرامؓ اٹھے اور حسبِ توفیق سامان لاکر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر کر دیا۔ ایک صحابیؓ جب گھر گئے تو معلوم ہوا کہ آج گھر میں کوئی چیز نہیں ہے۔ عشق نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ خالی ہاتھ دربار رسالت میں جائیں۔ انہوں نے ایک یہودی سے جاکر سودا کیا۔ ساری رات مشکیزوں سے اس یہودی کا باغ سیراب کرتے رہے۔ صبح ہوئی تو انہیں دو سیر کھجوریں معاوضہ میں ملیں۔ ایک سیر اپنے بال بچوں کو دیں اور ایک سیر کھجوریں لے کر رسول اکرمؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے قدموں میں رکھ دیں۔ رحمۃ اللعالمین نے اپنے جانثار غلام کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا اور حکم دیا مال وزر کے جو ڈھیر پڑے ہوئے ہیں۔ ہر ڈھیر پر یہ دو دو، تین تین کھجوریں رکھدی جائیں۔ ہوسکتا ہے ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ سب کی قربانی منظور ومقبول فرمادے۔

تو یہ ہے حسن نیت اور خلوص، ہمارا واسطہ اس لجپال سے ہے جو تعداد کو نہیں دلوں کی نیت کو دیکھتا ہے۔ اور اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے۔ تو اگر ہم خلوص

سے خدا تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ نیک کاموں میں ہماری مدد فرمائیں گے۔ اور ہمارا دل نیکی کی طرف مائل ہوتا جائے گا۔ لیکن اگر ہم بخل سے کام لیں گے۔ اور اپنی فطرت کے خلاف برائیوں میں پھنستے چلے جائیں گے۔ تو ہمارا آئینۂ دل دنیا کی آلائشوں سے غبار آلود ہوتا جائے گا اور ہم بڑی بے باکی سے برائی کرتے رہیں گے اور اس میں ہمیں ہرگز شرم و حجاب محسوس نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نیکیوں کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں کو نورِ ایمان سے منور کرے۔ آمین!

۱۷ اپریل ۱۹۷۷ء
بعد نمازِ فجر
ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

(16) بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

من یطع اللّٰہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللّٰہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا ؕ

حضرات گرامی قدر!

انسان کی پسند پر موقوف ہے جس کو چاہے دوست بنائے لیکن آپ حیران ہوں گے کہ اگر انسان کو پوری آزادی دی جائے تو یہ کن پستیوں میں جا گرتا ہے۔ کوئی تماش والے کو دوست بناتا ہے۔ کوئی جواری سے اپنی محبت کا رشتہ مستحکم کرتا ہے کوئی بدمعاشوں کی سنگت کو پسند کرتا ہے تو کوئی چوروں اور ڈاکوؤں کی ہمراہی اختیار کر لیتا ہے۔

تو یہ چیز ہے کہ اگر اسی کی پسند پر موقوف ہو جائے تو اس کی ہمت کبھی اس کو اس مقام عالیہ تک نہیں پہنچا سکے گی جو اس کا اصلی مقام ہے تو اس لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت آگے بڑھ کر خود اس کی دستگیری فرماتی ہے اور اس کو اپنی آغوش شفقت وراحت میں لے لیا کرتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے پاس ایک یہودن عورت آئی۔ اس نے عرض کی اے ام المومنین! کئی دن ہو گئے ہیں کچھ کھانے کے لیے میسر نہیں ہوا۔ سیدہ عائشہ رضؓ نے کاشانۂ نبوت میں نگاہ کی تو آپ کو کھجور کا ایک دانہ ملا۔ آپ نے وہ دانہ اس عورت کو دیا۔ اس عورت نے کھجور کے دو حصے کیے آدھا ٹکڑا ایک بچے کو دیا۔ آدھا دوسرے کو۔ اور خود بھوکی رہی۔ جب ام المومنین رضؓ

نے یہ حالت دیکھی کہ عورت کو خود بھی بھوک لگی ہوئی تھی۔ یہ خود بھی بے حال تھی۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اس کو بہت سخت بھوک ہے۔ اس نے اس طرح نہیں کیا کہ آدھی خود کھا لیتی اور آدھی ان دونوں کو دے دیتی۔ بلکہ تمام کھجور ان کو کھلا دی۔ چنانچہ اسی طرح مجسمۂ حیرت بن کر حضورؐ سے تمام واقعہ بیان کیا کہ اس کو کس طرح اولاد سے محبت ہوتی ہے کہ اُس نے خود بھوکا رہنا گوارا کیا اور کھجور بچوں کو کھلا دی تو حضورؐ نے فرمایا۔ واقعی تمہیں تعجب تو ہوا ہوگا لیکن جتنی محبت ماں کو اولاد کے ساتھ ہوتی ہے اس سے کروڑ گنا محبت اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ ہوتی ہے۔

توجس طرح چھوٹا بچہ چلنے لگتا ہے تو وہ پھسلتا ہے لڑکھڑاتا ہے۔ ماں اس کو اٹھاتی ہے۔ دلاسا دیتی ہے۔ اس طرح خدا تعالیٰ کی رحمت بھی اپنے رب کے راستہ پر چلنے والے کی دستگیری کرتی ہے۔ اور جب بھی شیطان اس کو پھسلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت آگے بڑھ کر اس کو تھام لیا کرتی ہے۔ شاہراہِ حیات پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب تو شیطان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے جو دستگیری کرتی ہے۔

اس آیت میں دو چیزوں کا ذکر ہے ایک وہ انعام و رحمت جس سے وہ بندوں کو سرفراز کرتا ہے۔ اور ایک وہ راستہ جو ہم میں انعام کا استحقاق پیدا کرتا ہے۔ منزل بھی بتا دی اور منزل تک پہنچنے کا راستہ بھی بتا دیا۔ اس تک پہنچنے کا طریق بھی واضح کر دیا۔ اگر اب اس منزل تک پہنچنے کی کسی میں خواہش ہو تو ربّ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ تو اس آیت پاک میں

ایک مقام رفیع بتایا۔ اور پھر اس تک پہنچنے کا طریقہ بھی۔ اور اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ آؤ اگر خوشنودی کی خواہش ہے تو وہ منزل ہے اس کو دوڑ کر پالو۔

پہلے انعام کا ذکر کیا اور پھر انعام حاصل کرنے کا طریقہ بیان فرما دیا۔ اور پھر فرمایا کہ ہم جن پر راضی ہوتے ہیں تو ان کی محبت اور ان کا قلبی تعلق اس گروہ میں سے کسی کے ساتھ کر دیتے ہیں۔ یا نبی کے ساتھ یا صدیق کے ساتھ یا شہید کے ساتھ یا صالحین کے ساتھ، لیکن آپ یہ کہیں گے کہ یہ کون سی بڑی بات ہے۔ سنگت ہوتی تو کسی امیر کے ساتھ ہوتی، کسی وزیر کے ساتھ ہوتی جہاں مال و دولت کے ڈھیر ہوتے۔ یہ کیا سنگت ہے کہ نبی ہے جس کے گھر میں ایک کھجور کے بغیر کچھ نہیں ملتا ہے۔ صدیق ہے جس کے گھر کپڑے اور ٹاٹ کے بنے ہوئے ہیں اور وہ شہید ہے جس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہے کبھی اس کو نیزہ لگتا ہے کبھی اس کی گردن دشمن کی شمشیر سے کٹ جاتی ہے اور صالح وہ ہے جس کی رات جاگتے گذر جاتی ہے۔ اور دن روزے کی حالت میں بھوک کے بسر ہو جاتا ہے۔

تو آپ یہ کہیں گے کہ اس میں کون سی کشش ہے۔ اور یہ کیا سنگت ہے۔ لیکن یہ ہمارا اپنا تصور ہے۔ اگر ہم اس کو ان نگاہوں سے دیکھیں جو حقائق کو دیکھتی ہیں تو پھر معلوم ہو گا کہ اس کا کیا فائدہ ہے۔

حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کی زندگی جن آزمائشوں سے گذری اس کا تذکرہ آپ بار ہا سن چکے ہیں کہ کس طرح آپ کے بھائیوں نے کنوئیں میں لٹکا کر اوپر سے رسی کاٹ دی تھی۔ کس طرح قافلے والے آپ کو نکال کر لے

گئے تھے۔ کس طرح آپ کو مصر لے جا کر بیچا گیا۔ کس طرح وہ زلیخا کے محل میں پہنچے
اور کس طرح اُنہوں نے کئی سال قید خانہ میں گزارے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ
نے آپ کو مصر کا بادشاہ بنا دیا۔ اور اس کے خزانے آپ کے تصرف میں دیدیئے۔
اب مصر کا فرمانروا وہ تھا جس نے چند سال قید خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھڑی
میں گزار دیئے تھے۔ اب وہی یوسفؑ ہے جس کو بھائیوں نے کنوئیں میں
لٹکا کر اوپر سے رسّی کاٹ دی تھی۔ وہی یوسفؑ ہے جس کو مصر کے بازار
میں بیچا گیا تھا۔ وہی یوسفؑ ہے جس کے متعلق مصر کے بازار میں منادی کرائی
گئی تھی کہ اس نے اپنی مالکہ کے ساتھ فریب کیا ہے لیکن اب وہی یوسفؑ ہے
کہ اس کی پاک دامنی کا اعتراف ملامت گر عورتوں نے بھی کیا ہے۔ وہ تمام
تکلیفیں ختم ہو گئیں۔ وہ ساری کلفتیں دور ہو گئیں۔ سارے ارمان مٹ گئے
لیکن اس عروج پر پہنچنے کے بعد بھی جو آرزو اور دُعا کرتے ہیں وہ حکومت
کے لیئے نہیں، جاہ و حشمت کے لیئے نہیں بلکہ دستِ طلب دراز کر کے مانگتے
ہیں۔ دامنِ طلب پھیلا کر عرض کرتے ہیں۔

اللھم فاطر السمٰوٰت والارض اے زمین و آسمان کے پیدا کرنیوالے
انت ربی فی الدنیا والآخرۃ ۔ تو ہی میرا دوست ہے۔ تو ہی میرا
معاون ہے۔ تو ہی میرا کارساز ہے۔ اس دُنیا میں بھی اور آخرت
میں بھی۔ مجھ پر فضل و کرم کی عنایت کرنے والا تُو ہے۔ تیری مہربانی
کا میں مشکور ہوں اور تعریف کرنے کے بعد التجا کی۔ بھیک مانگی
تو کیا؟ کہ تاج و تخت سے دل کو اطمینان حاصل نہیں۔ بلکہ یہ آرزو
ہے۔ کہ جب اس دُنیا سے رُخصت ہو جاؤں تو ایمان کی دولت سے مالامال

ہو کر جاؤں۔ سُبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ کا پیارا نبیؐ کیا مانگتا ہے؟ کہ یا اللہ جب مَیں اس دُنیا سے رُخصت ہوں تو لا الٰہ الا اللہ کا اعتراف کرتا ہُوا۔ اور اسلام کی دولت سے اپنے دامن کو لبریز کرتا ہُوا جاؤں اور ایمان کے چراغ سے میرا دل روشن ہو۔ پھر فرمایا والحقنی باالصّالحین اور یا اللہ میری سنگت قیامت کے دن نیک ہستیوں کے ساتھ ہو۔ جب لوگ اپنے اپنے دوستوں کے ساتھ اُٹھائے جائیں تو میرا حشر حضرت ابراہیم علیہ السّلام ، حضرت یعقوب علیہ السّلام ، حضرت اسحٰق علیہ السّلام کے ساتھ ہو۔ تو یہ نیکوں کی سنگت کا وہ انعام ہے۔ جس کی التجاء پیغمبر نے منتہائے مقصود تک پہنچنے کے بعد بھی کی۔

اس انعام کے پانے کی ہمّت ہر ایک میں نہیں۔ بلکہ من یطع اللہ والرسول جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور محمدؐ مصطفےٰ کی غلامی کو اپنا شیوہ بنا لیتا ہے تو وہ جب حشر کے دن اُٹھے گا۔ تو سراسیم و حیران نہیں ہوگا۔ بلکہ حضورؐ کے جھنڈے کے نیچے اُسے جگہ دی جائیگی اور جس نے حضورؐ کی محبّت کا دم بھرتے ہوئے اپنی زندگی بسر کر دی۔ تو قیامت کے دن اُس کا سر ہوگا اور کملی والے کے جھنڈے کا سایہ ہوگا۔ لیکن یہ انعام سونے والوں کو نہیں ملتا۔ غافلوں کو نہیں ملتا۔ یہ اُن لوگوں کے لیئے نہیں جو کہنے میں

تو مسلمان ہیں۔ لیکن عمل کے میدان میں صفر ہیں۔ ان کا لقمہ بھی حرام ہے۔ اور وہ لوگوں کے مال پر ڈاکہ بھی ڈالتے ہیں۔ چوری بھی کرتے ہیں غیبت بھی وہ کرتے ہیں۔ تو آپ خود بھی اندازہ کیجئے کہ ایسے لوگ کس طرح انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں بلکہ یہ راستہ پُرخطر ہے۔ اگر آپ یہ چاہیں کہ پھولوں سے بھی اپنے دامن کو بھر لیں اور کانٹے بھی نہ لگیں تو ایں خیال است و محال است و جنون؂ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہو اور شیطان کی پیروی بھی کرو تو اس سے بڑھکر

خود فریبی اور کیا ہو سکتی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب میں نفس کی خواہشات کو کچلنا پڑے گا۔ اور خدا اور رسول کی غلامی کو پیش نظر رکھنا پڑے گا۔ اور جس نے یہ کر لیا۔ قیامت کے دن جب لوگ نفسی نفسی پکاریں گے۔ اور سورج کی تمازت میں وہ پسینہ میں شرابور ہوں گے۔ اس دن اس کے سر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سایہ فگن ہو گی۔

حقیقت کے متلاشی ان لوگوں کی طرح نہیں ہوتے جو عمل کے میدان میں مفلس ہوا کرتے ہیں۔ یا عمل کے میدان میں شکست کھا جاتے ہیں بلکہ وہ فتوحات کے میدان میں چھپ کر نہیں رہتے اور مال دینے کا وقت آئے تو تن کے کپڑے بھی اتار کر دے دیتے ہیں۔ ہجرت کا وقت آئے تو مال و اولاد اور جاگیر میں سے کوئی چیز بھی ان کے دامن کو نہیں کھینچ سکتی تو فرمایا۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتا ہے اسے ان پاک لوگوں کی سنگت نصیب ہوتی ہے اور پھر فرمایا: وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيقًا۔ اور جن کو ان کی سنگت نصیب ہو جائے ان سے بڑھ کر اور ان سے بہتر کسی کا دوست نہیں ہو سکتا۔ دوسری جگہ فرمایا:۔ "اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ"

تو جب قیامت کا دن ہو گا تو جتنے رفقاء ہوں گے ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے لیکن وہ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے ساتھ ہو گا۔ ان کی دوستی اس وقت بھی قائم رہے گی۔ جب دنیا کے تمام رشتے ختم ہو جائیں گے۔ تو ان ہی اللہ کے متقی بندوں کے ساتھ دوستی میں ہماری نجات ہے اور یہ ہی بہترین دوست ہیں۔ "وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا"

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین جبکہ ابھی تک اپنے پیر خواجہ عثمان ہارونی کی خدمت میں تھے کہ ایک دن ایک آدمی حاضر ہوا۔ اس نے حضرت ہارونی سے بیعت کر لی اور ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ تو حضرت اجمیری نے ایک دوسرے آدمی سے کہا کہ آؤ آج اس آدمی کی قبر پر مراقبہ کریں کہ اس نے جو مرد کامل سے بیعت کی تھی۔ تو اس کو فائدہ بھی ہوا ہے یا نہیں۔ چنانچہ جب اس آدمی کو دفن کیا گیا تو وہ مراقبہ کے لیئے ٹھہر گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ فرشتے آئے۔ فرشتوں نے اس کو اٹھا کر بٹھا دیا اور حساب پوچھنے لگے۔ مَن رَّبُّكَ۔ مادِیُنكَ۔ من نبیكَ ؕ وغیرہ مختلف سوالات پوچھے۔ جو سوال پوچھتے تو وہ یہ جواب دیتا کہ میں خواجہ عثمان ہارونی کا مرید ہوں۔ سوال مختلف تھے۔ لیکن اس کا جواب ایک ہی تھا۔ اتنے میں خواجہ ہارونی خود تشریف لاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم کو اس کے کہنے پر کہ میں عثمان ہارونی کا مرید ہوں دلیل کی ضرورت ہے؟ بلکہ اس کا کہنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه سے اس کا رشتہ اٹوٹ ہے اور میرا مرید ہونا ہی اس کے ایمان کی دلیل ہے۔ تو یہ ہے کہ اگر تعالیٰ کے ساتھ تعلق مستحکم ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اور کوئی دوستی نہیں۔ " وحَسن اُولٰئِكَ رَفِیقًا ہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ دو آدمی ایسے جو آپس میں اس لیئے محبت کرتے ہوں گے کہ خدا تعالیٰ راضی ہو جائے تو قیامت کے دن انہیں عرش کے سایہ کے نیچے جگہ ملے گی۔ تو ہر مرید کا بھی یہی تعلق ہوتا ہے۔ اگر

وہ حقیقی ہوں یعنی مرید اس لیئے پیر سے محبت کرتا ہے کہ وہ مجھے راہِ ہدایت پر چلائے گا۔ اور پیر مرید کو اس لیئے پیار کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ پر اس کے بتانے کے مطابق چلتا رہے گا۔ تو فرمایا من یطع اللہ والرسول کہ جو شخص ربّ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتا ہے تو ہم اس کی سنگت اس کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔ یعنی انبیاء کے ساتھ، صدیقین کیساتھ شہداء کے ساتھ اور صالحین کے ساتھ۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک دن حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ رنگت زرد پڑی ہوئی ہے۔ پریشانی کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھکر فرماتے ہیں۔ کہ اے ثوبان آج رنگت کیوں زرد پڑی ہوئی ہے۔ کیوں پریشان ہو کوئی تکلیف ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تو کوئی دکھ نہیں صرف ایک چیز کے احساس نے زندگی کو تلخ بنا دیا ہے۔ کہ دل کا جو تعلق حضور کے ساتھ ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہر وقت حضور کا رُخِ انور دیکھتا رہوں۔ زیارت کرتا رہوں اور اپنے دل کی دنیا کا سامان کرتا رہوں۔ اور جب حضور کی خدمت سے غائب ہوتا ہوں تو پھر حضور کا رُخ انور دیکھنے کے لیئے دل بے قرار ہو جاتا ہے۔ پھر دوڑتا ہوا آجاتا ہوں اور اب میرا یہ احساس مجھکو ستاتا ہے کہ جب تک زندگی ہے اس وقت تو میں حضور کا رُخ انور دیکھ لیا کروں گا۔ لیکن جب قیامت ہو گی تو اگر مجھے جنّت میں کوئی جگہ مل بھی گئی تو بھی حضور کا مقام بہت اونچا ہو گا۔ اور معلوم نہیں کہ جنّت میں

ہیں کہاں ہوں گا۔ تو جس جنت میں حضور کی زیارت نہ ہوتی ہو تو اس جنت سے جہنم ہی بہتر ہے۔ بس صرف یہی احساس ہے جو مجھکو گھائل کر رہا ہے۔ حضورؐ نے اپنے غلام کی بات سنی تو حضور خاموش ہو گئے۔ اسی اثناء میں حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ مژدہ لے کر حاضر ہوتے ہیں کہ اللہ کے رسول یہ بتا دو کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرتے ہیں۔ اور جن کے دل میں تیرا عشق ہے۔ جو تیرے دیدار کے طالب ہیں۔ ان کو قیامت کے دن بھی ہجر کے بار نہیں اٹھانے پڑیں گے۔ اور یہ حضور کی نوازش ہے کہ تم اپنے دل میں چراغ محبت روشن کرو تو محبت کا یہ مقام تمہیں حضور کے قدموں میں ڈال دے گا۔ تو یہ ثوبان رضی اللہ عنہ کے لیئے ہی مژدہ جانفزا نہیں تھا۔ بلکہ تمام کے لیے ہے۔ اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے لطف اندوز ہونے کے لیئے یہ ہے مقام بلند جس کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ اس لیئے ہمیں بھی اس مقام رفیع تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ آخر ہم کب تک نفس کی خواہشات پر چلتے رہیں گے ؟

خدا تعالیٰ نے جو ہمیں مہلت دی ہوئی ہے تو اس لیئے کہ کب ہم ہوش میں آتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ کب محبت پیدا کرتے ہیں ؟ زندگی تو ایک مٹی کے پیالے کی مانند ہے کہ کبھی ٹھوکر لگی اور یہ ٹوٹ گیا۔ اور معلوم نہیں کہ کس وقت حکم آجائے اور سانس کا آنا جانا بند ہو جائے لیکن جبکہ ابھی یہ اعلان ہو رہا ہے اور جب تک زندگی کا یہ چراغ ٹمٹما رہا ہے تو ہم کیوں نہ آج ہی نفس سے اپنی باگ کو کھینچکر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے ہاتھ میں دیدیں اور وہ کام کریں جو اس کی رضا کا باعث ہوں۔ زندگی کا یہی موڑ ہے جو حضورؐ کے غلاموں

کو حاصل ہوا۔ انہوں نے کبھی بھی اپنے آپ کو فریب نہیں دیا۔ بلکہ انہوں نے جو پیمان باندھا اس کو پورا کرنے کے لیئے سر دھڑ کی بازی لگا دی تو اس لیئے ہم بھی سوچیں کہ جب آپس میں وعدہ کرتے ہیں اور اس کو نظر انداز کر کے ہم قابل ملامت ہوتے ہیں تو بھلا اگر ہم اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو ایفا نہ کریں تو کیا ہم اس کی رحمت کے قابل ہیں؟ ہرگز نہیں! تو یہی وقت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو اپنالیں۔ اس کی اطاعت کریں۔ اس کے احکامات کے سامنے سر نیاز خم کر دیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مالا مال ہونے کی کوئی اُمید ہو سکتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ اس کی سنگت ہم ان لوگوں کے ساتھ کر دیتے ہیں۔ انبیاء کے ساتھ، صدیقین کے ساتھ، یا شہداء یا صالحین کے ساتھ، وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيقًا

اور سب سے بہترین اور پائیدار دوستی انہی کی ہے تو اس لیے جب ہم دنیا کی سنگت کے لیئے مالی اور جانی قربانی دینے کے لیئے تیار ہو جاتے ہیں۔ تو جو وعدہ رب کے ساتھ ہے اس کا بھی پاس کریں تاکہ وہ ہم کو اس مقام عالیٰ تک پہنچائے جس کی صلاحیت ہماری فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ

(۱۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ ط

حضرات!

قدرت کا یہ اٹل قانون اور قاعدہ ہے کہ زندگی ان کو ہی بخشی جاتی ہے حیاتِ جاوداں ان ہی کو مرحمت فرمائی جاتی ہے جو بڑی خندہ پیشانی سے دعوتِ اجل کو قبول کرتے ہیں۔ جو راہِ حق میں مرجانا ہی اپنے لیے باعثِ سعادت خیال کیا کرتے ہیں۔ آپ غور فرمائیں کہ جب فصل کاشت کرنے کا موسم آتا ہے۔ گندم بونے کا وقت آتا ہے تو اس کے لیے کیا کیا جاتا ہے۔ کاشت کرنے کے لیے گندم کی ایک مناسب مقدار زمین کی تہہ میں پوشیدہ کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد زمین سے کونپلیں نکلتی ہیں۔ پودا بنتا ہے۔ ان پر نئے نئے خوشے لگتے ہیں اور پھر ان میں دانے بنتے ہیں۔ اب غور کریں کہ اگر کوئی کسان گندم بونے کے وقت یہ خیال کرے کہ یہ دانے جو اب میرے پاس موجود ہیں۔ ان کو میں جان بوجھ کر خاک میں کیوں ملا دوں۔ زیرِ زمین کیوں دبا دوں معلوم نہیں فصل ہوگا یا نہیں۔ موسم کے حالات مساعد کریں یا نہ کریں۔ تو جب دوسرے لوگ سینکڑوں من غلہ گھر لائیں گے۔ تو کیا اس فلسفی کو بھی کوئی چیز ملے گی؟ جو اس وقت عقل مند بنا تھا۔ اور اس وقت اپنے منطقی استدلال سے چند من اناج بچا لیا تھا۔ ہرگز نہیں۔ تو وہ لوگ جنھوں نے گندم کی کچھ مناسب مقدار تہہ میں پوشیدہ کر دی تھی۔ ان کے انجام کو بھی دیکھیں اور اس وقت عارضی بچت کرنے والے فلسفی

کے انجام کو بھی نگاہ میں رکھیں کہ کون گھاٹے میں رہا اور کون نفع میں۔ دائمی نقصان کس نے کیا اور منافع کا سودا کس نے ؟

اسی طرح جیسے کچھ لوگ آج اس تحریک میں اس لیئے شامل ہونے سے گریزاں ہیں کہ پتہ نہیں یہ تحریک کامیاب بھی ہوگی یا نہیں۔ حالات مساعد کریں گے یا نہیں! ایسے فلسفیوں کا انجام وہی ہوگا جو اس کسان کا ہوا کرتا ہے۔ جو خطرات کے خوف سے یا فرضی ناکامی کے احساس سے فصل کاشت کرنے سے گریزاں رہتا ہے اور فتح و کامرانی، عزت و شہرت انہی کے مقدر میں ہوا کرتی ہے جو ہر چیز سے بے نیاز ہو کر دیوانہ وار خدا کے راستہ میں قربان ہو جایا کرتے ہیں۔ حیات جاودانی انہی کو عطا کی جاتی ہے جو اپنے سر خاک میں ملا دیتے ہیں۔ وہ قوم جو ذلت کی زندگی بسر کرنے پر قانع ہو جاتی ہے۔ اس کا نام و نشان بھی صفحۂ ہستی سے مٹ جایا کرتا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ حیاتِ ابدی اسی قوم کو مرحمت فرمائی جاتی ہے جو مرنے مارنے کے لیئے تیار ہو جاتی ہے۔ جن کا لگاؤ عزت کی زندگی سے ہوتا ہے۔ جو گیدڑ کی سو سالہ زندگی پر شیر کی ایک دن کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ جو بے خطر نارِ نمرود میں کود جایا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ نظام عالم جس پر ساری کائنات کی فلاح کا دار و مدار ہے اس کو اس بات کی ضرورت تھی کہ حضرت حمزہ رضؓ کو شہید کرایا جاتا۔ اس کو ضرورت تھی کہ گلشن نبوت کی تازہ کلیوں کو مسل کرایا جاتا۔ اس کو ضرورت تھی کہ حضورؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوں اور مقدس خون کے قطروں سے زمین لالہ زار بنے۔ کیونکہ تب ہی تو اسلام تمام حوادثات سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ یہی وہ قاعدہ ہے

جس کو محمد مصطفیٰ ا نے وضاحت سے کر دکھایا۔ اور صحابہ کرام کو اس پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔ کیونکہ یہ اٹل قانون ہے۔ کہ جب تک چراغ نہ بجھائے جائیں اُفق پر سورج طلوع نہیں ہوا کرتا۔ ہمارا خون بہے گا تب ہی اسلام میں بہار آئے گی، تب ہی اس کے غنچے مہکیں گے۔ اور اُن کی خوشبوئیں عالمِ انسانیت کو بیدار کریں گی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کبریٰ کو اپنی کلام پاک میں واضح فرمایا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ

کہ اے زندگی اور موت کو دماغ کے پیمانے اور معیار پر ناپنے والو! اے زندگی کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے والو! تمہارے یہ تمام معیار تمہارے یہ تمام پیمانے غلط ہیں۔ آؤ ہم تم کو بتائیں کہ زندہ کون ہے اور مرنے والا کون ہے۔ زندہ وہ نہیں جو سانس لیتا ہے۔ جو کھاتا پیتا ہے۔ زندہ وہ نہیں جس کو زندگی کی تمام آسائشیں مہیا کی جاتی ہیں۔ بلکہ زندہ وہ ہوتا ہے جو اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ جو زخموں سے گھائل ہو کر اپنے محبوب حجازی کے قدموں میں پہنچ کر فزت برب الکعبۃ (رب کعبہ کی قسم میں زندگی کی بازی جیت گیا) کا نعرہ مستانہ بلند کر کے اپنی جان، جانِ آفرین کے سپرد کر دیا کرتا ہے۔ ارے زندہ وہ ہے جو زخموں سے تڑپ رہا ہو اور پھر بھی یہ کہے۔

ے وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے دل میں
میرے دونوں پہلوؤں میں دل بے قرار ہوتا

کیا تم یہ سوچتے ہو کہ جب تک آنکھیں جھپکتی رہیں، اندام و اعضاء حرکت کرتے

رہیں۔ قدم اٹھتے رہیں۔ اس وقت تک وہ انسان زندہ ہے: نہیں نہیں"۔ زندہ وہی ہوتا ہے جو عظمت اسلام پر اپنا سر کٹا دیتا ہے۔ اور جو دین محمدی کی ناموس پر اپنے چہرہ کو خون آلود کر کے خالق حقیقی سے جا ملتا ہے۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

ولا تحسبن کہ گمان بھی مت کرو۔ جنگ اُحد کے بعد جب ستر صحابہؓ شہید ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت حمزہؓ بھی جام شہادت نوش فرما جاتے ہیں تو ہندہ نے حضورؐ کے شکمِ مبارک کو شق کیا، کلیجہ و دِل باہر نکالا، آنکھیں نکال دیں۔ کان کاٹ دیئے۔ جب یہ سارے کام کر بیٹھی تو فرطِ غیظ سے اس نے اس دِل کو نگلنا چاہا جس میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور عشق مصطفٰےؐ کا چراغ روشن تھا۔ لیکن وہ نگل نہ سکی جب مسلمان واپس آئے تو کہنے لگے فلاں بھی مر گیا اور فلاں بھی۔ تو اللہ تعالیٰ کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ جن پروانوں نے شمعِ اسلام پر اپنی حیات کو قربان کر دیا اس کو مُردہ کہا جائے۔ تو زبانِ ایزدی گویا ہوئی۔ وہ زبان جس کی گونج تحت الثریٰ سے عرش تک یکساں ہے اور جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں اس زبان نے فرمایا:-

"ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا ط" کہ تمہاری زبان یہ کہنے کی جسارت تو کہاں کرے بلکہ تمہارے دِل میں بھی یہ خیال نہیں آنا چاہیئے کہ وہ مُردہ ہیں۔ بَل اَحیاءٌ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے ربّ کے پاس یرزقون فرحین اور جو اللہ تعالیٰ نے فضل کی بارش ان پر کی ہے۔ اس سے خوشی مناتے

ہیں، اور اُن کی عنایت بے پایاں پر خوش ہیں اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ان پر کی ہیں، اس سے خوشی منا رہے ہیں۔ اس پر شاداں ہیں۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جان اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور یہ ہی وہ سبق ہے جو رحمتِ دو عالم نے صحابہ کرامؓ کے لوحِ قلب پر اتنا واضح لکھ دیا کہ انہیں کبھی بھی اس میں تردد و شک نہ گزرا بلکہ وہ تو دامن طلب پھیلا کر دعائیں کرتے تھے کہ جب اس دنیا سے رخصت ہوں تو خونِ شہادت سے چہرہ سُرخ ہو اور اسی طرح تیرے حضور میں حاضر ہوں۔

عبداللہ ابن جحش اُحد کے میدان میں اپنے ایک ساتھی کو لے کر گئے۔ اور کہا تم نے حضورؐ کا ارشاد سنا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو دُعا بھی میدانِ جہاد میں کی جاتی ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت بخش دیا کرتا ہے اس لیئے اب قبولیت کا وقت آگیا ہے۔ پہلے صحابیؓ نے التجا کی، دستِ طلب پھیلایا کہ جب کفر و باطل اپنی ساری قوتیں لے کر حق کے سامنے آئے تو یا اللہ مجھکو بڑے سے بڑے گبر کافروں کو تہہ تیغ کرنے کی ہمت و جرأت عطا فرما اور اس کے بعد خیر و عافیت سے واپس جاؤں۔ عبداللہ ابن جحش نے "آمین" فرمائی۔ پھر عبداللہ نے دعا مانگی۔ یا اللہ جب حق و باطل کی جنگ ہو تو میں دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدم رہوں۔ اور کئی دشمنوں کو قتل کروں۔ اور جب میں مارنے کی حسرت پوری کر چکوں تو میں بھی شہید ہو جاؤں۔ اس پر

بھی عاشق کا دل اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ دعا مانگتے ہیں کہ یا اللہ کافر مجھے شہید کرنے کے بعد میرا ناک بھی کاٹ دیں۔ آنکھیں بھی نکال دیں اور کان بھی الگ کردیں۔ پیٹ بھی چاک کردیں اور پھر اسی حالت میں مجھے سپردِ خاک کیا جائے تاکہ جب قیامت کا دن ہو اور آدم علیہ السلام سے لے کر تمام رسل صحابہؓ عظام اولیائے کرام اور علماء کا جمگھٹا ہوگا اور تیری مخلوق جواب دہی کے لیے لرزاں ہوگی۔ ہر سو سکتہ کا عالم طاری ہوگا۔ بزمِ محشر برپا ہوگا اور تو مجھ سے پوچھے گا۔ "یا عبد اللہ فیما قطع انفک وفیما قلع عینک وفیما جدع اذنک" کہ اے عبداللہ تجھ سے کونسی خطا سرزد ہوئی تھی جس میں تیرا ناک اور کان کاٹ دیئے گئے۔ اور تیری آنکھیں نکال دی گئیں تو اس وقت میں جواب دوں گا: "فیک وفی رسولک" کہ اے اللہ تعالیٰ میں نے کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔ میرا کوئی جرم نہیں تھا بلکہ یہ میرا حال اس لیے کردیا گیا کہ میرے دل میں تیری اور تیرے رسول کی محبت کی شمع فروزاں تھی۔ عشق کا چراغ روشن تھا۔

؎ گناہ نہ کردہ ایم و کسے را نہ کشتہ ایم
جرم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

آپ یہ التجا کرتے ہیں۔ دوسرا ساتھی آمین کہتا ہے۔ اور اس کے بعد لڑنا شروع کردیتے ہیں۔ ہر آدمی کو یہ حوصلہ نہیں ہوسکتا، ہر آدمی سلامت رہنا چاہتا ہے۔ بلکہ یہ التجا آقا علیہ السلام کے وہی غلام کرتے ہیں جن کے سامنے زندگی کی پوری حقیقت پوری تابانی کے ساتھ روشن ہوچکی ہوتی ہے۔

دہی شہادت کا سوال کرتے ہیں۔ اور انہیں کے دل میں یہ جوان امنگیں اور جذبے اُٹھتے ہیں۔ چنانچہ میدانِ جنگ میں وہ کام کرتے رہے اور جس طرح دعا کی تھی۔ اسی طرح ان کو عزت سے نوازا گیا۔ اور عبداللہ بن جحش شہید ہو گئے۔ اور ان کا مثلہ کیا گیا۔ اور یہ بھی یقین ہے کہ قیامت کا دن جب ہوگا تو حضور کا عاشق صادق اس بہتے ہوئے خون کے ساتھ پیش ہوگا۔ اور اس کیفیت کا اندازہ آپ خود ہی لگا سکتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کا جلال، رحمت میں تبدیل ہو جائے گا۔

ے بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدند
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را!

کیا بہترین رسم ہے کہ رب تعالیٰ کی رضا میں جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیئے جائیں اور ان کو بطور تحفہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔

یہی سبق تھا جو شہیدِ کربلا نے میدانِ کربلا میں فرات کے کنارے ساری معصوم کلیوں کو مسل کر دا کے پیش کیا تھا۔ اور یہی وہ سبق تھا جس کو محمود غزنوی نے سومنات پر پیش کیا تھا۔ اور یہی وہ سبق تھا جس کے ساتھ صلاح الدین ایوبی نے پورے یورپ کا منہ توڑ جواب دیا تھا۔ اور یہی وہ سبق تھا جو کھیم کرن اور سیالکوٹ کے محاذ پر پیش کیا گیا۔ اور یہی وہ محبت کی چنگاری ہے جو محمد عربی کے طفیل ہمارے اعمال کی سراسیمگی کے باوجود تابندہ و درخشندہ ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آج ہمارے اعمال روح کے اعضاء و قویٰ کو زنجیروں میں جکڑ دیں اور کوئی پہچان بھی نہ سکے بلکہ ہماری یہ بیداری، ہوائے ہوس سے ابدی چھٹکارا ہو اور ہمارا یہ شوقِ فراواں سے فراواں رہے اور یہ فزوں سے فزوں تر رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سر کٹاتے ہیں، زندہ ہیں۔ اور جس کو خدا زندہ رکھے کس کی زبان کو زیب دیتا ہے۔ کہ وہ اس کو مردہ کہے۔ آؤ تاریخ میں نگاہ ڈالیں۔

مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضور کے غلام عمرو بن جموح پاؤں سے لنگڑے تھے۔ وہ بدر کے میدان میں حاضر نہیں ہو سکے تھے اور اس کو ان کو بڑا ملال تھا۔ چنانچہ احد کے میدان میں شوق شہادت سے بے تاب ہو کر جنگ میں شامل ہونے کی اجازت طلب کی۔ آپ کے پاس چند کھجوریں تھیں۔ حضور سے عرض کرنے لگے۔ اگر میں مارا جاؤں تو مجھ کو کیا ملے گا۔ حضور نے فرمایا کہ تیرے اس دنیا سے رخصت ہونے کی دیر ہے۔ جنت کے دروازے تیرے لیئے کھول دیئے جائیں گے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت تجھے اپنی آغوش میں لے لے گی۔ اور رب تعالیٰ کی ابدی نعمتیں تیری چشم براہ ہوں گی۔ تو وہ عرض کرنے لگے۔ اگر یہ ثواب ہے تو پھر میری بڑی کم فہمی اور قرین مصلحت کے خلاف ہے کہ اتنی بھی تاخیر کی جائے کہ کھجوریں کھا کر جنگ کروں۔

چنانچہ وہاں ہی میدان میں لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ ۱۷ھ میں احد کے میدان میں ان کا مزار ہے۔ وہاں سے پانی کی موجیں گزریں اور مٹی الگ ہوگئی۔ اور جسد اطہر ظاہر ہوگیا تو خبر کی گئی۔ آپ کو جام شہادت نوش کیئے ۱۷ سال ہو گئے تھے۔ لیکن کیا دیکھتے ہیں کہ جہاں زخم ہے وہاں ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ اور کفن بھی ابھی تک بوسیدہ نہیں ہوا تھا۔ اور لاش مبارک پر کوئی موت وغیرہ کا نشان تک نہیں ہے۔ اور جب ہاتھ زخم سے اٹھانے تو خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ اور جب ہاتھ چھوڑا گیا تو

پھر وہ زخم کے دہانے پر جا لگا اور خون بند ہو گیا۔ اور اللہ پاک نے یہ دکھایا کہ جو میرے لیئے جامِ شہادت نوش کریں وہ زندہ ہیں۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو میری راہ میں جان دیدیتے ہیں۔ وہ زندہ ہیں۔ اسی صدی کا واقعہ ہے کہ دریائے دجلہ کے کنارے پر عبداللہ ابن جابر کا مزار تھا۔ دریا نے مٹی گرانی شروع کر دی۔ عبدالحق۔ جو وہاں موجود تھے۔ لکھتے ہیں۔ کہ دریائے دجلہ اس قبر مبارک کے قریب آ گیا تو حکومتِ عراقی نے سوچا کہ کہیں نعش مبارک کی بے حرمتی نہ ہو تو انہوں نے یہ تجویز کی کہ حضرت سلمان فارسی کے جوارِ اقدس میں ایک نئی قبر کھودیں تاکہ ان کو دفن کر دیا جائے۔ وہ بغداد کا شہر جو کہ عراق کا دارالخلافہ تھا۔ اور جہاں ساری دنیا کے سفیر موجود تھے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ آج نعش مبارک کو سلیمان فارسی کے احاطہ میں دفن کرنا ہے تو انہوں نے بھی یہ چاہا کہ دیکھیں تو سہی کہ خداوند تعالیٰ نے جو فرمایا ہے۔ جو میری راہ میں جان قربان کرتا ہے وہ زندہ ہے" اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ تو سفیر جن میں عیسائی بھی تھے۔ اور یہودی بھی کافر تھے اور مسلمان بھی سب کے سب جمع تھے۔ تقریباً دس ہزار کا جمگھٹا تھا۔ سیدالطاف حسین نے فرمایا کہ میں نے اس جسد اطہر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کہ اس قبر میں دو لاشیں تھیں۔ ایک کی داڑھی سفید تھی اور ایک کی سیاہ تھی اور ان کے کفن تک بھی ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے تھے اور ایسا معلوم

ہوتا تھا. کہ ابھی کہیں آکر وہ سوئے ہیں. یہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ ان کو چودہ سال گزرے ہیں تو فرمایا: ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا ط کہ جو میری راہ میں قربان ہو جائیں ان کو مردہ گمان بھی مت کرو بلکہ وہ زندہ ہیں. یہ کسی راوی کا قول نہیں. کسی محدث کا نہیں بلکہ یہ تو احکم الحاکمین کا فرمان ہے.
کہ بل احیاء کم عند ربھم اور رب تعالیٰ نے ان پر نوازشات فرمائی ہیں. اور جو اللہ پاک نے فضل کی بارش کی ہے. اس سے وہ پھولے نہیں سماتے. تو یہ ہے شہداء کی اُخروی زندگی کی جھلک. آیئے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور عہد کریں کہ ہم مقامِ مصطفےٰ کے تحفظ اور نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے لیئے اپنی زندگیاں بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کریں گے. جنت کی بہاریں خدا اور رسول کی رضا انہی کا مقدر ہوا کرتا ہے. جو خنجرِ قاتل کو ہلالِ عید سمجھ لیا کرتے ہیں. جو خدا اور رسول کی رضا کے لیئے مٹ جانا ہی باعثِ سعادت سمجھتے ہیں. اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی جذبہ اور دین پر مر مٹنے کی تڑپ نصیب کرے. آمین!
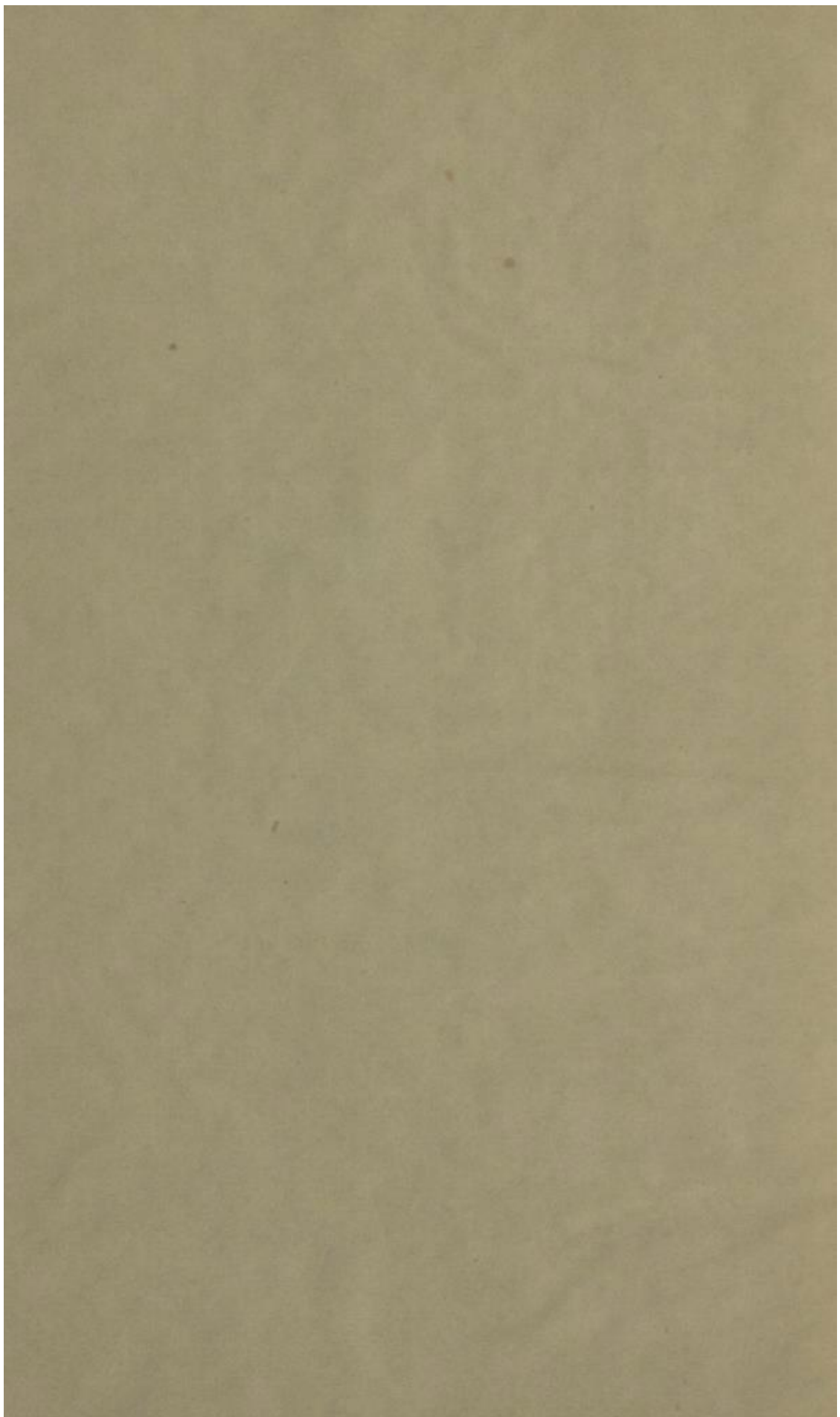
پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر) سجادہ نشین بھیرہ کی
معرکہ آراء تفسیر
ضیاء القرآن
شائع ہوگئی
اہلِ نظر کے نزدیک ضیاء القرآن اُردو زبان میں قرآن حکیم کی بہترین تفسیر ہے۔
ترجمہ: ایک شفاف آئینہ جس میں قرآن حکیم کا حسن و جمال منعکس ہو رہا ہے۔
تفسیر: روشنی کا بلند مینار، جس کی ضیا پاشیوں سے عرصۂ حیات کے سارے گوشے منور ہو رہے ہیں۔
ضیاء القرآن میں
علماء اور طلبہ کے لیے علمی تحقیقات و فنی نکات
وکلاء کے لیے فقہی و قانونی سرمایہ
اہلِ دل کے لیے درد و سوز کا ارمغاں
جدید سیاسی و معاشی اور معاشرتی اُلجھنوں کا حل
نفیس کتابت، بہترین فوٹو آفسٹ طباعت، اعلیٰ ولایتی کاغذ، مضبوط اور دیدہ زیب جلد
جلد اوّل سورۂ فاتحہ تا سورۂ انعام
قسم اوّل: ۶۰ روپے قسم دوم ۴۸ روپے
آج ہی طلب فرمائیں
ضیاء القرآن پبلیکیشنز گنج بخش روڈ ○ لاہور
ذخیرہ کتب:۔ محمد احمد ترازی